
عفت سحر طاہر

لو ہم نے جیون ہار دیا.......... عفت سحر طاہر

تقریباً چار سالوں کے بعد میں پھر سے اسی خالص ماحول میں بیٹھا تھا، جو شروع ہی سے مجھے تر و تازہ کر دیتا تھا۔ وہی ماموں جان اور مامی جی کی محبتیں اور وہی شفقتیں۔

''پتہ نہیں، اتنے عرصے تک میں کیسے بھولا رہا ادھر کا راستہ؟''

میں نے بقدرے شرمساری محسوس کرتے ہوئے کہا تو ماموں جان اپنے مخصوص شفقت آمیز انداز میں مسکرا دیئے۔

''بھولے ہی تو نہیں تھے۔ اگر بھول جاتے تو آج بھی نہ آتے۔''

میں ان سادہ دل لوگوں کی محبتوں کا معترف تو پہلے بھی تھا، اس شفقت پر اور نہال ہو گیا۔

''بہت عرصے کے بعد اس گھر میں وہی چار سال پہلے والی رونق ہو گی۔'' بلال نے میرے شانے پر ہاتھ مارا تو میں بھی خوش دلی سے ہنس دیا۔

''نیا! کھانا لگا دیا ہے تو بتا بھی دو۔'' مامی جی نے اپنے مخصوص انداز میں آواز لگائی تو میں نے معنی خیز نظروں سے بلال کو دیکھا، جس کی نظریں اب بیتابی سے بیٹھک کے دروازے پر ٹک گئی تھیں۔

''آجائیں آپ لوگ۔ میں نے دسترخوان لگا دیا ہے۔'' نیا نے اندر آنے کی زحمت کئے بغیر باہر ہی سے آواز لگا دی تھی۔

''چلو بھئی۔'' ماموں جان سب سے پہلے اٹھے تھے۔

''یار چی نمی کچھ بدلی نہیں گئی؟'' میں نے باہر نکلتے ہوئے بلال کے کان میں سرگوشی کی۔ جواباً وہ میرے ہی انداز میں بولا۔

''ہاں......اور خوب صورت بھی ہو گئی ہے۔''

میں اسے گھورتا ہوا دوسرے کمرے میں آ گیا، جہاں نیا نے دسترخوان پر کھانا چن رکھا تھا۔ وہی مینو تھا، جو کبھی لڑ جھگڑ کر میں نے نیا سے تیار کرایا تھا۔ وہی کھانے کی اشتہا انگیز مہک اور مزے دار، خوش رنگ اچار اور چٹنیاں تھیں۔ میری بھوک چمک اٹھی۔

کھانے کے دوران بھی نیا ہمارے ساتھ شامل نہیں ہوئی۔ ایک بار مامی جی نے اُسے آواز دی تو اُس نے باورچی خانے میں سے ہی ڈھیروں کام گنوا دیے۔ مجھے اُس کی لاتعلقی اور اکھڑ پن محسوس تو بہت ہو رہا تھا، مگر میں مصلحتاً خاموش تھا۔ کیونکہ میں اب بھی وہی احمر نواز تھا، جو کسی بھی وقت اُس کی چٹیا پکڑ کر احتساب کر سکتا تھا۔ اس لیے میں نے تسلی سے کھانا کھا لینا بہتر سمجھا۔ البتہ بلال کی پل پل بگڑتی شکل دیکھ کر مجھے بہت لطف آ رہا تھا۔

کھانا کھانے کے بعد حسبِ معمول ماموں جان اور مامی جی نے اپنے پلنگ صحن میں بچھائے اور میں نے بلال کے ساتھ حسبِ پسند و شوق پلنگ اٹھا کر چھت کا رخ کیا۔ شروع ہی سے گرمیوں میں ہمارا یہی وتیرہ ہوتا تھا۔ پلنگ بچھانے تک ہم خاصے نڈھال ہو چکے تھے۔ سو اپنے اپنے پلنگوں پر گر پڑے۔

''کچھ بھی نہیں بدلا۔'' میں نے چت لیٹ کر ستاروں کے جھرمٹ میں مسکان کی طرح چاندنی بکھیرتے چاند پر نظریں جما کر خوش گوار سانس لیتے ہوئے کہا تو وہ کروٹ بدل کر کہنی کے بل ذرا سا میری طرف متوجہ ہوا۔

''کچھ نہیں، بہت کچھ بدل گیا ہے۔ تم کافی میچور ہو گئے ہو۔ پہلے ذرا کمینے سے لگتے تھے اب شکل قدرے شریفانہ ہو گئی ہے۔''

اُس کے بے لاگ تبصرے پر میں نے اُسے گھور کر دیکھا۔ مگر وہ قطعی متاثر نہیں ہوا۔

''چچی بھی کہہ رہی تھیں کہ اب احمر بڑا بڑا لگنے لگا ہے۔''

''تو یار! اتنا فرق تو پڑتا ہے نا۔ تب میں چوبیس سال کا تھا، یعنی نوجوان۔ اور اب ساڑھے اٹھائیس سال کا ہوں، یعنی پورا جوان۔'' میں نے قدرے لاپروائی سے اُس کی بات اُڑائی تھی۔ تبھی نیچے سے مامی جی کی آواز سنائی دی۔ میں نے کسلمندی سے اسے اشارہ کیا تو وہ اٹھ کر منڈیر پر سے صحن میں جھانکنے لگا۔ مامی جی اسے پنکھا چھت پر لے جانے کو کہہ رہی تھیں۔

وہ میری طرف مڑا تو میں نے فوراً آنکھیں بند کر کے سونے کا تاثر دیا۔

''بہت خبیث ہو تم۔ جہاں کوئی کام کرنا پڑے، تمہیں نیند آنے لگتی ہے۔'' وہ دانت پیس کر بولا تو میں نے اپنی ایکٹنگ میں ایک عدد جمائی کا اضافہ کیا۔ وہ پلنگ کے پائے کو ٹھوکر مارتا مجھے لعن طعن کرتا

سیڑھیاں اتر گیا تو مجھے ہنسی آ گئی۔
میں نے ہلکی ہلکی ہوا کو محسوس کرتے ہوئے آسودگی بھرا سانس اندر کھینچ کر پھر سے چاند پر نظریں جما دیں۔ سب کچھ وہی ہے۔ وہی مامی جان کی سادگی بھری محبت، ماموں جان کی شفقت۔ خاموشی اور سکون میں ڈوبا چھوٹا سا گھر۔ صحن میں مامی جی کے ہاتھ کے لگے امرود اور جامن کے درخت اور ان کے پتوں کو جھولا جھلاتی ہلکی ہلکی چلتی ہوا۔ چھوٹا سا تالاب اور وہی چاروں بطخیں۔
میں اگر اب بھی آنکھیں بند کر کے یاد کرتا تو بتا سکتا تھا کہ اس گھر میں کون سی چیز کہاں رکھی جاتی تھی۔ کیونکہ اب بھی سب کچھ اسی جگہ پڑا تھا۔ بڑے سے صحن والے اس گھر میں تین کمرے تھے۔ ایک بیٹھک تھی، جو کہ مہمانوں کے لئے استعمال ہوتی تھی اور پھر میرے یہاں آنے کی وجہ سے تقریباً میرے ہی نام الاٹ ہو گئی تھی۔ ایک ماموں جان اور مامی جی کا کمرہ تھا اور تیسرا کمرہ نیا شہزادی کا تھا، جس کو تنگ کرنے کا کوئی موقع میں ہاتھ سے نہیں جانے دیتا تھا۔ وہ تھی بھی چھوٹے دل کی۔ اور کچھ میں اسے اتنا زچ کر دیتا کہ وہ رو پڑتی۔
یوں تو بلال بھی ہر تخریب کاری میں میرے ساتھ ہوتا تھا مگر جونہی وہ روتی، بلال مجھ پر چڑھ دوڑتا۔ اور میں بلال کی جنوں خیزی سے واقف تو نہیں تھا فوراً وعدہ کر لیتا کہ اگلی بار نیا کے رونے سے پہلے شرارت ختم کر دی جائے۔ مگر پھر "اگلی بار" مجھے اس لمحے کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا، جس کے بعد اسے رونا شروع کر دینا ہوتا تھا۔ اس لئے میری شرارتیں، نیا کا رونا اور بلال کا وفاداری بدل کر میرے ساتھ لڑنا، ماضی کا ایک حسین دور بن گیا تھا۔

اور اب......
یہ نیا کی بچی کو کیا ہو گیا ہے؟ مجھے یکلخت اس کی سرد مہری یاد آئی تو میری سوچوں کا سیلاب تھم گیا۔ دوپہر کو جب میں آیا تھا تب ہی بس اس کے ساتھ سلام دعا ہوئی تھی۔ اس کے بعد اس نے شکل نہیں دکھائی تھی۔ حتیٰ کہ دوپہر اور رات کے کھانے پر بھی وہ باورچی خانے ہی میں گھسی رہی تھی۔
میں نے ابھی اٹھ کر منڈیر پر سے اسے آواز دینے کا سوچا ہی تھا کہ وہ تہہ کی ہوئی سفید چادریں اور تکیے لئے سیڑھیوں پر سے برآمد ہو گئی۔ میں سینے پر بازو لپیٹے اسے گھورنے لگا۔ وہ بڑے بے ڈھنگے سے انداز میں پلنگوں پر چادریں بچھا رہی تھی۔ ایک ایک چادر اس نے پائنتی پر رکھ دی۔ مجھے یقین ہی نہیں آیا کہ یہ وہی نیا تھی، جو کبھی "احمر بھائی، احمر بھائی" کرتی میرے آگے پیچھے دوڑتی پھرتی تھی۔
"بڑے نخرے ہو گئے ہیں بھئی، لوگوں کے منگنی کرا کے۔" میں اس کی نظر اندازی زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکا طنزاً بولا تو وہ یوں میری طرف دیکھنے لگی، جیسے میں نے کسی اور کو مخاطب کیا ہو۔

''کیا بات ہے؟ میرا آنا اچھا نہیں لگا؟'' میرے لہجے میں خودبخود سنجیدگی اتر آئی۔ وہ قدرے توقف کے بعد عام سے انداز میں بولی۔
''ایسی تو کوئی بات نہیں۔''
اس کے لہجے سے لاتعلقی اور بیگانہ پن اُمڈ پڑا تھا۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنی سردمہری اور لاتعلقی کو کسی بہانے کی اوٹ میں چھپا کر مجھے مطمئن کرنے کی کوشش کرتی، وہ کتنے آرام سے میری ٹینشن بڑھانے والا انداز اپنائے ہوئے تھی۔ میں قسمیہ کہہ سکتا تھا کہ اس سے پہلے میں نے کبھی نیا کا یہ انداز نہیں دیکھا تھا۔
میں نے اُسے اتنا تنگ کیے رکھا تھا کہ وہ کئی بار غصے سے مجھے گھر سے نکل جانے کا بھی حکم دے دیتی۔ مگر اس کے بعد میری ذراسی خفگی پر وہ دل ہاتھوں میں لیے جان وارنے والی بہن بنی میری منتیں کر کے مجھے روک رہی ہوتی تھی۔ یہ ہمارا روزمرہ کا معمول تھا، اس لیے ماموں اور ممانی جی خوب ہنستے تھے۔ البتہ بلال ٹھنڈی آہیں بھرا کرتا تھا۔ وہ اپنے لیے بھی نیا کی یہی محبت دیکھنا چاہتا تھا مگر وہ اتنی معصوم یا کہا جائے کہ اس معاملے میں اتنی بےوقوف تھی کہ بلال کے انداز کو سمجھتی ہی نہیں تھی۔ اور مجھے یاد تھا، ہماری اس روز کتنی لڑائی ہوئی تھی، جب بلال نے ایسے ہی کسی موقع پر حسرت سے کہا تھا۔
''کاش کہ کبھی وہ اتنی ہی محبت میرے ساتھ بھی جتایا کرے۔''
میں اس کی سرد آہوں سے متاثر ہو کر ہمدردانہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے اپنا بیگ پلنگ پر رکھنے لگا، جو میں نے ایک بار پھر نیا کی طرف سے گھر بدر کیے جانے پر تیار کیا تھا۔ یہ الگ بات تھی کہ کبھی اس بےچاری نے یہ دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی کہ میں نے یہ بیگ اِدھر اُدھر سے چادریں، کھیس اکٹھے کر کے بھرا ہوتا تھا۔
''ویسے یہ کام مشکل تو نہیں۔ تم چاہو تو تم بھی یہی مقام حاصل کر سکتے ہو۔'' میری شرارت بھانپے بغیر وہ بےقرار ہوا تھا۔
''وہ کیسے؟''
''بس تمہیں میرے والے عہدے پر آنا پڑے گا۔ یعنی اس کا بھائی بننا پڑے گا۔''
میرے روانی سے کہے جملوں پر اس نے بےدھیانی میں سر ہلایا تھا اور اس کے بعد وہ دانت پیستا خطرناک عزائم لیے میرے پیچھے تھا اور میں اس کے آگے۔

اور اب یہ نیا کو کیا ہو گیا تھا؟ بلال نے تو مجھے کچھ نہیں بتایا تھا۔
''یہ تو تم کہہ رہی ہو نا کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ اصل حقیقت تو تمہارا رویہ ظاہر کر رہا ہے۔''
میں اندر ہی اندر اس کے اس انداز پر بہت حیرت زدہ ہو رہا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ ان چار سالوں میں، میں اپنی پڑھائی مکمل کرنے اور اس کے بعد ابو کے کاروبار کو سنبھالنے میں بے حد مصروف رہا تھا، مگر ایسا تو کچھ نہیں ہوا تھا کہ وہ مجھ سے ایسا رویہ برتتی۔ ایسے تو وہ کبھی بھی مجھ سے برتاؤ نہیں کرتی تھی۔
میں اس کی کتابیں، نوٹس، حتیٰ کہ اس کی سہیلیوں کے خط بھی چھپا دیا کرتا تھا۔ صرف یہ ہی نہیں، بلکہ اس کی سہیلیوں کو بھی میں نے ناکوں چنے چبوا دیئے تھے۔ تب بھی وہ زیادہ سے زیادہ ایک آدھ گھنٹے کے لئے ناراض ہوتی تھی۔ کیونکہ اس ایک آدھ گھنٹے میں وہ مجھے گھر سے نکلنے کا حکم دے دیتی تھی اور میرا بیگ تیار ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد وہ مجھے روکنے کے لئے میرے آگے پیچھے پھر رہی ہوتی تھی۔ اتنا ناراض تو وہ تب بھی نہیں ہوئی تھی، جب میں نے اس کی سب سے عزیز سہیلی مہر کو......
میرے ذہن میں ایک سوچ سی لہرائی تو خود بخود میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میری سوچوں کا رخ مڑ گیا۔
''اگر میں غداری کر گیا تو پھر؟'' چاندنی میں دمکتے کسی کے وجود پر نظریں جما کر میں نے شرارت سے پوچھا تھا۔
''تو میں مر جاؤں گی۔'' وہ یوں سادگی سے بولی تھی، جیسے اس بات کا یہی جواب ہو۔ لحظہ بھر کے لئے تو میں بھی حیران ہوا تھا اور اس کے بعد میں نے ہنس کر بات بدل دی تھی۔
''پتہ نہیں، آپ کو کیوں محسوس ہو رہا ہے میرا رویہ۔ میں نے تو ایسا کچھ نہیں کیا۔'' نیا کی آواز مجھے حال میں کھینچ لائی۔ وہ مروتاً بھی مسکرانے کی کوشش نہیں کر رہی تھی۔
''آہا...... یہاں تو موسم بہت خوشگوار ہو رہا ہے۔'' شانے پر پنکھا لاد کر سیڑھیوں پر نمودار ہوتے ہوئے بلال نے نیا پر نظر پڑتے ہی باچھیں پھیلائیں تو وہ خجل سی ہو گئی۔ اب تو وہ یقیناً بلال کی معنی خیز نظروں اور باتوں کو سمجھنے لگی تھی۔ کیونکہ یہ میری ہی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ ان دونوں کو منگنی کے بندھن میں باندھ دیا گیا تھا۔
وہ بلال کے فارم میں آنے سے پہلے ہی دوپٹہ سر پر ٹکاتی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ میرے تمام سوال اور الجھنیں اندر ہی سر پٹختی رہ گئیں۔ میں بلال کو گھورتے ہوئے پلنگ پر گر گیا۔ پنکھا چلا کر وہ بھی اپنے

بستر پر دراز ہو گیا۔ گرمیوں کا موسم ہونے کے باوجود اس وقت چھت کا موسم خوشگواریت کا احساس جگا رہا تھا۔ یا تو یہ پنکھے کا اثر تھا یا پھر نہر کی طرف سے آنے والی ہلکی ہلکی ہوا کا۔

میرا موڈ بھی خوش گوار ہونے لگا۔ میں نے ایک بار خود کو پھر سے اس دور میں پایا، جہاں میں فقط ایک من موجی قسم کا لڑکا ہوتا تھا۔ ماموں جان اور ممانی کی محبتیں سمیٹتا، نیا سے اپنے ناز اٹھواتا اور لڑتا جھگڑتا۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ یہ چار سال میں نے گزار کیسے لئے؟

اور پھر ایک نگاہ پلٹ کر گزرے چار سالوں پر ڈالی تو احساس ہوا کہ اس تمام عرصے میں میرے اندر جو میچورٹی آئی تھی، وہ سب ابو اور بڑے بھائی کی توجہ کا نتیجہ تھی۔ وہ تمام تر لاابالی پن، بدتمیزیاں اور دل آزاریاں میں جیسے بھول ہی گیا تھا۔ اب گزری باتیں محض بچپنا اور بے وقوفی لگتی تھیں۔

''لگتا ہے کہ بارش ہوگی۔'' بلال کے پُر یقین تجزیے پر میں حال میں لوٹ آیا۔

''اور یہ جو چندا ماموں اپنے بارہ کروڑ بھانجوں کے ساتھ سر پر کھڑے ہیں؟'' میرے طنزیہ انداز پر وہ ہنس دیا۔

''تمہیں کیسے پتہ کہ بارہ کروڑ ہی ہیں؟''

''تمہیں کیسے پتہ چلا کہ بارہ کروڑ نہیں ہیں؟'' میں نے جواباً بڑے اطمینان سے سوال کیا تو وہ زیر لب بولا۔

''خبیث۔''

''سیم ٹو یو۔'' میں نے نیند سے بند ہوتی آنکھیں کھول کر کہا تو اس نے مجھے گھور کر کروٹ بدل لی۔ میں نے بھی مسکرا کر اس کی طرف سے کروٹ لی تو بے اختیار ہی میری نظر پچھواڑے کی دیوار پر جا پڑی۔ جہاں ایک سفید بلی بیٹھی تھی۔ میری یادداشت بہت اچھی تھی۔ ہلکی سی مسکراہٹ میرے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

''مانو...... اور مہرو......''

یہ بلی مہرو کی تھی۔ اور مہرو......؟ میں نے آنکھیں موند لیں۔



مجھے چھٹیاں گزارنے کا لطف ہمیشہ سے چھوٹے ماموں کے گھر آتا تھا۔ شہر سے ملحقہ علاقہ نہ تو شہر میں شمار ہوتا تھا اور نہ ہی گاؤں میں۔ کیونکہ وہاں اگر کچھ سہولتیں نہیں تھیں تو بہت زیادہ سہولتیں موجود بھی تھیں۔ سکول سے لے کر لڑکے اور لڑکیوں کے کالج تک موجود تھے۔ یہ الگ بات تھی کہ یہ سکول و کالج فاصلے کے لحاظ سے کچھ دور تھے مگر بہر حال یہ ایک بہت بڑی ترقی تھی۔ اپنے باقی بہن بھائیوں کے برعکس میں اپنے ددھیال پر اپنے ننھیال کو ترجیح دیتا تھا۔ کیونکہ ان بڑے گھروں میں مجھے اتنی محبت اور شفقت محسوس نہیں ہوتی تھی جتنی کہ تین کمروں اور بڑے سے صحن والے اس گھر میں محسوس ہوتی تھی۔ یہاں میری بہت سویٹ بہن تھی 'نیا' جسے تنگ کرنا، رُلانا اور اپنے ناز اُٹھوانا میرا من پسند مشغلہ تھا۔ اس کی ایک سہیلی زیبا میٹرک کے بعد پڑھائی چھوڑ چکی تھی۔ مگر ان دونوں کی دوستی برقرار تھی۔ اس لئے ان میں خط و کتابت باقاعدگی سے چل رہی تھی۔

''احمر بھائی! پلیز......دیں نا میرا خط۔'' وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

''یہ تمہارا نہیں، بلکہ کسی زیبا کا ہے۔'' میں نے لفافہ پلٹ کر پچھلی طرف دیکھا، نام پڑھتے ہوئے اطمینان سے کہا تو وہ چلائی۔

''تو میرا ہی ہے نا۔ آپ کی سہیلی کا تو ہونے سے رہا۔''

میں نے برآمدے میں کرسی پر براجمان تربوز سے لطف اندوز ہوتے بلال کی طرف دیکھ کر قہقہہ لگایا، پھر قدرے تفکر سے اسے مخاطب کیا۔

''تمہارا کیا خیال ہے اس بارے میں؟''

''ہو سکتا ہے تمہاری ہی سہیلی کا ہو۔ کھول کر دیکھ لو۔'' اس نے کمال بے نیازی سے مشورہ دیا تو میں کھل اٹھا۔

''آہا! مجھے پہلے کیوں خیال نہیں آیا۔''

''کیا بکواس ہے یہ؟ آپ کی سہیلی کیسے ہو سکتی ہے؟'' بلال کے مشورے پر وہ سلگ اُٹھی تھی۔

''چلو، جلدی سے گوائنڈ نیک کرلو۔'' میں مصالحت پر اتر آیا تھا، یوں کہ انداز احسان جتانے والا تھا۔
''واہ...... میرا خط ہے، میرے حوالے کریں۔ مجھے کیا ضرورت ہے اتنی فضول شرطیں ماننے کی۔'' وہ خفا ہونے لگی۔
''اگر تم مجھ سے رجوع کرو تو میں تمہاری مدد کرسکتا ہوں۔'' بلال رومال سے ہاتھ پونچھتا صحن میں نکل آیا۔ اس کی آفر پر نینا نے ناراضگی سے اسے دیکھا تھا۔
''آپ کو اتنا احساس ہوتا تو آپ بنا کہے ہی کردیتے۔''
''اف...... دلبر شکوہ کرے اور اثر نہ ہو...... کس کتاب میں لکھا ہے؟'' بلال صاحب کے تو تیور ہی بدل گئے، اس قدر استحقاقانہ انداز پر۔
''تمہاری کیلی کا تو یہ خط ہو نہیں سکتا اس لیے اسے مزید تنگ نہ کرو۔'' وہ بڑے مدبرانہ انداز میں مجھ سے مخاطب ہوا۔
''بی جمالو میری نہیں تو تمہاری کیلی کا ضرور ہوگا۔ جب تک یہ چیچے کا حلوہ بنا کر نہیں کھلائے گی، یہ خط میرے پاس رہے گا۔ اور اگر آدھے گھنٹے کے اندر اندر اس نے میری فرمائش پوری کرنے کا اہتمام نہیں کیا تو میں اس کا خط کھول کر پڑھ لوں گا۔'' میری دھمکی خاصی خوفناک تھی۔ وہ آنکھوں میں آنسو لیے، پیر پٹختی باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ بلال نے مجھے گھورا تھا۔
''بہت کمینے ہو......''
''تو وہ سیدھی طرح سے کیوں نہیں فرمائش پوری کردیتی؟'' میں پسینے سے شرابور ڈھٹائی سے کہتا برآمدے میں آ گیا۔ پنکھے کے پر گویا آگ پھینک رہے تھے۔ میز پر پڑی چھوٹی پرات میں تربوز کے تھوڑے سے ٹکڑے اور کٹی ہوئی برف تیر رہی تھی۔ میں نے بلال کی کرسی سنبھالی اور تربوز سے فیض یاب ہونے لگا۔
''خبیث انسان! پہلے نہالو۔ یوں لگ رہا ہے جیسے بڑے سائز کی موم بتی پگھل رہی ہو۔'' اس نے میری کنپٹیوں سے بہتے پسینے کو دیکھ کر کہا تو میں نے لاپروائی سے سر ہلا دیا۔ میں اپنے مشغلے میں مصروف تھا، جب اس نے میز پر رکھا خط اٹھالیا۔ مگر میرے اطمینان میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ نہ ہی میں نے اس کے ہاتھ سے خط چھیننے کی کوشش کی۔
''نمی کی کیلی کی لکھائی تمہاری لکھائی سے کافی ملتی جلتی ہے۔''

وہ لفافے پر لکھا ایڈریس پڑھتے ہوئے بولا تو میں نے اس کا رومال لے کر ہاتھ پونچھے اور آرام سے بولا۔

''کل کو تم یہ بھی کہو گے کہ وہ بھی مجھ سے ''ملتی'' ہے۔'' میرا انداز معنی خیز تھا۔

''بکواس نہیں کرو۔ یہ تمہاری ہی لکھائی ہے۔ سو فیصد'' وہ یکلخت سارا معاملہ سمجھ گیا۔ دانت پیس کر بولا۔

''اچھا اب جب تک حلوہ نہیں بن جاتا، تب تک تو یہ منحوس باتیں بند کر دو۔'' میں نے لاپروائی سے کہا تو وہ بھی ٹھنڈا پڑ گیا۔ چیچے کا بادا موں والا حلوہ اسے بھی اسی قدر پسند تھا، جتنا کہ مجھے۔

''ویسے اتنی سخت گرمی میں تمہیں ترس نہیں آیا، اُسے باورچی خانے میں بھیجتے ہوئے؟''

ابھی حلوہ سامنے نہیں آیا تھا اس لئے بلال کی محبت جوش مارنے لگی۔ میں نے پرات زمین پر رکھ کر میز پر پاؤں پسارتے ہوئے آرام سے کہا۔

''آ تو رہا ہے مگر اب گرمی تو ہے نا۔ اس میں میرا کیا قصور؟''

وہ تاسف سے مجھے دیکھتا چارپائی پر لیٹ گیا۔

مامی جی اپنے کمرے میں سوئی ہوئی تھیں اور یوں بھی وہ مجھے میری حرکتوں سے منع نہیں کرتی تھیں۔ اس لئے میں اپنی مرضی سے نیا کو تنگ کرنے کی مقدار گھٹاتا بڑھاتا رہتا تھا۔ میں کرسی پر نیم دراز غنودگی میں تھا، جب اس نے پلیٹ پٹخنے کے انداز میں میز پر رکھی۔ حلوے کی خوشبو اور اس کے جلوے نے لمحوں میں نیند اڑا دی۔ میں پھرتی سے سیدھا ہوا تھا۔

''آہا...... عزیزی نمی صاحب جلوہ افروز ہوئی ہیں۔'' میں نے بے تابی سے پلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو پینے میں تر ''عزیزی'' نے ایک جھانپڑ میرے ہاتھ پر رسید کر دیا۔

''گو ویٹ کریں...... حلوہ یہیں جلوہ افروز رہے گا، بھاگ نہیں رہا۔'' اس کا لہجہ بھی موسم کی طرح تپا ہوا تھا۔

''میں تو شرمندہ تھا، اسی وقت تمہیں خط واپس دے رہا تھا، جب تم باورچی خانے میں گئی تھیں۔ وہ تو بلال نے نہیں دینے دیا۔ کہہ رہا تھا اب جب وہ نیکی کر رہی ہے تو ہم خواہ مخواہ اسے جنتی ہونے سے کیوں روکیں۔'' میں نے معصومیت کا شاندار مظاہرہ کیا تو بلال بدک اٹھا۔

''کیا بکواس ہے یہ؟'' اس کی غراہٹ سے بے نیاز میں نے نیا کی شعلے برساتی آنکھوں کا رخ بلال کی شرٹ کی جیب سے جھانکتے نیلے لفافے کی طرف موڑا۔

''بہت برے ہیں آپ، بلال بھائی!'' وہ اس کی جیب سے لفافہ جھپٹتی ناراضگی سے کہتی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

میں بادا موں والے گرما گرم حلوے سے لطف اندوز ہو رہا تھا، جب بلال خونخوار تیور لیے میری طرف بڑھا۔ مجھے معلوم تھا کہ گری گوگری ہی مارتی ہے لہٰذا میں نے پیش بندی کے طور پر حلوہ اپنے اور اس کے درمیان میز پر رکھا تو وہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ ابھی ہم نے پلیٹ صاف ہی کی تھی کہ عزیزی نیا صاحبہ ہمارے سر پر آ کھڑی ہوئی۔

''کتنے بڑے چھوٹے ہیں آپ۔ یہ میری سہیلی کا خط کب ہے؟'' اس نے غصے سے کہتے ہوئے لفافہ میری گود میں پھینکا تھا۔

''جہاں تک بات ہے کتنے بڑے چھوٹے ہونے کی تو میں اس وقت چوبیس سال کا ہوں۔ اور دوسرا یہ کہ میں نے تو سرے سے کہا ہی نہیں کہ یہ تمہاری سہیلی کا خط ہے۔ یہ دعویٰ تو تمہارا تھا۔'' میں نے بڑی شرارت سے کہا تو اس کا پارہ ہائی ہونے لگا۔

''تو آپ مجھے بتا کر میری غلط فہمی دور بھی تو کر سکتے تھے۔''

''دراصل میں تمہارا دل نہیں توڑنا چاہتا تھا۔'' میں نے بڑی محبت کا مظاہرہ کیا تو وہ خونخوار نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے چلائی۔

''مگر میں آپ کا سر ضرور توڑ دوں گی۔''

''میں نے کہا بھی تھا تم سے......'' بلال نے تاسف سے کہا تو اس کا نیا کی سائیڈ لینا اندر ہی اندر مجھے سلگا گیا۔ ایسی بھی کیا عاشقی جو یاروں سے غداری پر مجبور کر دے؟

''ہاں، ہاں......سن لیا تم نے۔ یہ سب اسی نے کہا تھا مجھ سے۔'' میں نے بڑے آرام سے بازی پلٹی تو وہ بلال کو گھورنے لگا۔

''یہ تو ہیں ہی تھالی کے بینگن۔'' بلال کے تاثرات پر میں نے قہقہہ لگایا تو وہ مجھ پر الٹ پڑی۔

''آپ کو شرم نہیں آتی، جھوٹ بولتے ہوئے۔ اتنی گرمی میں اتنی دیر مجھے چولہے کے آگے بیٹھنا پڑا۔ اتنا پسینہ بہا ہے میرا۔''

''اوکے۔'' میں نے کندھے اُچکائے اور آرام سے بولا۔ ''سوری۔''
وہ مٹھیاں بھینچے یوں مجھے دیکھ رہی تھی، جیسے ابھی بلی کی طرح مجھ پر جھپٹ پڑے گی۔ پھر بے بسی سے پیر پٹختی اندر چلی گئی۔
''بہت بڑے کمینے ہو تم۔'' بلال کا تو دل تھل تھل ہو گیا تھا۔
''تم یوں کرو کہ ایک ہی بار بڑا سا یہ ڈائیلاگ لکھوا کر فریم کروا کر لگا دو تا کہ بار بار تمہیں کہنا نہ پڑے۔ جب بھی مجھ پہ غصہ آئے، مجھے کہہ دیا کرنا، میں فریم کیا ہوا دیکھ لیا کروں گا۔''
میں طمانیت سے کہتا اٹھ کر اس کی چارپائی پر زبردستی دراز ہوا۔ اتنی گرمی میں میری اس حرکت نے اُسے آگ بگولا کر دیا۔ وہ تن فن کرتا اُٹھ کر کرسی پر دھنس گیا۔ میں اُس کی خشمگیں نظروں کی پروا کیے بغیر پانچ منٹ کے اندر اندر نیند کی پریوں کے سنگ ہو لیا۔
رات میں تب اٹھا، جب کھانے کا ٹائم ہو گیا۔ آنکھوں پر پانی کے چھینٹے مار کر کلی کر کے میں مامی جی کے کمرے میں چلا آیا، جہاں ایک طرف دو پلنگ بچھے ہوئے تھے۔ وہیں زمین پر دستر خوان بچھایا جاتا تھا۔ نیا کا پھولا ہوا چہرہ دیکھ کر مجھے ہنسی آ گئی۔
''اب معاف کر دو۔'' میں لگی لپٹی رکھے بغیر اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے بولا تو ماموں جان دلچسپی سے ہمیں دیکھنے لگے۔
''کیا پھر سے لڑائی ہوئی ہے؟''
''کچھ نہیں، ماموں جان! بس ایسے ہی ذرا سی بات کو دل پر لئے بیٹھی ہے۔'' میں نے شرارت بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو میرے ساتھ بیٹھے بلال نے میری پسلی میں کہنی چبھو دی۔ میں اسے گھورتا ہوا اپنی پلیٹ میں چاول نکالنے لگا۔
رات جب تک ہم جاگتے رہے اسے منانے کی کوشش کرتے رہے۔ مگر وہ بھی اس دفعہ اڑ گئی تھی۔ نہ مانی۔
''بھاڑ میں جاؤ تم۔'' میں پاؤں پٹختا سیڑھیاں چڑھ کر چھت پر آ گیا۔ بلال میرے پیچھے لپکا تھا۔ میرے انداز کو دیکھ کر وہ خوامخواہ تلملانے لگتا تھا۔

''یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا......؟'' میں پلنگ پر لیٹے لیٹے اٹھ بیٹھا اور غصے سے بولا۔

''خبردار، جو رومیو بننے کی کوشش کی تو۔ یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔''

''مگر وہ میری ہونے والی......'' وہ بڑے استحقاق سے کہنے لگا تھا مگر میں اس کے ادھورے جملے ہی سے اس کا مفہوم پا گیا۔

''مگر وہ میری ہو چکی ہے......یعنی کہ بہن۔'' میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا تو وہ دل پر ہاتھ رکھ کر اپنے پلنگ پر گر گیا۔

''ہارٹ اٹیک ہوتے ہوتے بچا ہے۔'' اس کے گہری سانس لے کر کہنے پر مجھے ہنسی آ گئی۔ میں نے لیٹ کر سر کے نیچے ہاتھ باندھ لئے۔

''پتہ نہیں، ان لڑکیوں کو ذرا ذرا سی بات پر اتنی سنجیدگی سے خفا ہونے کی بیماری کیوں ہوتی ہے؟'' میں بہت چڑ کر اظہار خیال کر رہا تھا۔

''یہ ذرا سی بات نہیں ہے۔ اس نے اپنی سہیلی کے خط کی آس میں اتنی گرمی میں بیٹھ کر حلوہ بنایا تھا اور اس کے بعد......'' وہ پوری طرح نیا کی حمایت کر رہا تھا۔

''اس نے مجھے بھائی بنایا ہوا ہے۔ بس ایسا ہی ہوں میں۔'' میں بھی اکڑ میں کم نہیں تھا۔ پھر بھی میرے لب و لہجے میں خود بخود تفاخر سا اُمڈ آیا تھا، جسے محسوس کر کے بلال مسکرا دیا۔

''بس اسی خیال سے تو وہ مار کھا جاتی ہے۔ ورنہ یہ لڑکیاں بھی ناکوں چنے چبوا دیتی ہیں۔'' پھر وہ بات بدل گیا۔ ''ہماری طرف کب چل رہے ہو؟ امی ناراض ہو رہی تھیں۔''

بلال میرے بڑے ماموں کا تیسرے نمبر کا صاحبزادہ تھا۔ اس کے اور ماموں جان کے خیالات میں مطابقت نہیں تھی لہٰذا وہ ہر تیسرے دن چھوٹے ماموں کے ہاں پایا جاتا تھا۔ میری ہی طرح وہ بھی بی ایس سی کے بعد فارغ تھا۔

''دو تین روز میں چلوں گا۔'' میں نے پروگرام بناتے ہوئے آسمان پر نظریں جما دیں۔ بے پناہ حبس نے نیند اڑا کر رکھ دی تھی۔

''پتہ نہیں بارش کب ہو گی؟'' میرے انداز میں بے زاری در آئی۔

''چچی جان کہہ رہی تھیں، بے پناہ حبس بارش کی علامت ہوتا ہے۔'' بلال نے کہا تو مجھے بالکل بھی یقین نہیں آیا۔

یونہی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے نہ جانے کب ہم نیند کی وادیوں میں اتر گئے۔

اگلے روز بھی ہوا تھمی رہی اور حبس نے سانس تنگ کیے رکھی۔ دن چڑھے ناشتے کے بعد میں اور بلال پھر گھومنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ یونہی بازاروں میں گشت کرتے ہوئے بلال چوڑیوں والی دکان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ چند قدم آگے بڑھ کر مجھے احساس ہوا تھا کہ وہ میرے ساتھ نہیں ہے۔ اپنے دائیں بائیں دیکھ کر میں بے اختیار مڑا تھا۔ اسے چوڑیوں والی دکان کے سامنے دیکھ کر میں لحظہ بھر کو بھونچکا رہ گیا۔ پھر گویا ہوش میں آتے ہوئے اس کی طرف لپکا۔ دکان لڑکیوں اور خواتین سے بھری ہوئی تھی۔

''بھری جوانی میں کیا جوتے کھانے کا شوق ہو رہا ہے؟'' میں نے اس کا بازو کہنی سے دبوچ کر دانت پیستے ہوئے کہا۔ مگر وہ تو جیسے ہوش ہی میں نہیں تھا۔

''ٹھہرو ذرا۔ چوڑیاں تو لے لینے دو۔''

''ابے...... زنانہ ہو گیا ہے کیا؟'' میں نے گڑبڑا کر کہا تو وہ مسکرا کر بولا۔

''میں اپنے لیے نہیں، نیلما کے لیے لے رہا ہوں۔''

''اوہ......'' گہری سانس میرے حلق سے خارج ہوئی تھی۔ زیادہ طمانیت مجھے متوقع ''حشر'' سے بچنے کی ہوئی تھی۔ جتنی دیر میں بلال نے چوڑیاں خریدی تھیں، میں نے ریڑھی والے کو مرجانے کی حد تک زچ کر کے پچیس روپے کلو والے آم بیس روپے کلو کروا کر تین کلو تلوا لیے۔

''ویسے یہ کس فلم کے ہیرو کی گھسی پٹی نقل اتارنا چاہ رہے ہو؟'' واپسی پر میں نے اسے چھیڑا تو وہ مسکرا دیا۔

''اب تو بات بے بات دانت نکلیں گے۔'' میں نے آہ بھری، پھر اسے گھور کر دیکھا۔ ''اگر میری بہن کو یہ چوڑیاں دینے کی کوشش کی تو میں تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا۔''

''بھائی نہیں میرا......؟'' اس نے مسکینی صورت بنائی تو میں نے بمشکل ہنسی روکی۔

گرم بلکہ شعلہ بار ہوا چلنے لگی تھی۔ ہوا بہت تیز تھی مگر شدید گرم۔ لیکن یہ بھی خدا ہی کی قدرت تھی کہ گھر پہنچنے تک آسمان کو ایک سیاہ بدلیوں نے ڈھانپ لیا تھا۔ لمحوں میں خوشگوار ہوائیں چلنے لگیں۔ اور

جب ہم نے گھر میں قدم رکھا تو بادلوں کی گڑگڑاہٹ کے ساتھ موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔ یہ ساون کی پہلی بارش تھی۔

مامی جی پلنگ گھسیٹ کر برآمدے میں کر رہی تھیں۔ میں نے آم میز پر رکھ کر ان کی مدد کی۔ تبھی نیا بازوؤں میں خشک کپڑوں کا ڈھیر لیے چھت پر سے اتری اور یونہی کل کی طرح منہ پھلائے ہمارے پاس سے گزرتی چلی گئی۔

''نری نیم کی پھلی ہے۔'' میں نے سلگ کر کہا اور آموں والا شاپر مامی جی کے حوالے کر دیا۔

''انہیں ٹھنڈے برف والے پانی میں ڈبوئیں۔ پانچ منٹ میں ٹھنڈے ہو جائیں گے۔'' بلال نے انہیں مشورہ دیا تھا۔

''چل، آجا......'' میں بلال کو اشارہ کرتا، نیا کے کمرے کی طرف بڑھا۔ وہ کپڑے تہ کر رہی تھی۔

''کیا حال ہے میری پیاری بہن کا؟'' میں نے شہد آگیں لہجے میں پوچھا تو وہ تیوری چڑھائے مجھے دیکھنے لگی۔

''وہی حال ہے، جو پیارے بھائی نے کیا ہوا ہے۔'' اس کے جل کر بولنے پر میں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''باہر اتنا زبردست موسم ہو رہا ہے اور میں تمہارے لیے آم بھی لایا ہوں۔'' میں اسے لالچ دے رہا تھا۔ بلال نے موقع غنیمت جان کر چوڑیاں آگے کیں۔

''اور یہ بھی......''

''مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے۔'' چوڑیاں دیکھ کر اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھری تھی مگر وہ بڑی رکھائی سے بولی۔ بلال نے امداد طلب نظروں سے مجھے دیکھا۔

''لے لو...... بھائی دے رہا ہے۔'' میں نے نیا کو پچکارا۔ بلال میرے الفاظ پر کرنٹ کھا کر مجھے دیکھنے لگا۔ ادھر نیا نے چوڑیاں لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا، ادھر بلال نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔

''یہ میں دے رہا ہوں۔'' بلال کے احتجاجی انداز پر مجھے ہنسی آئے جا رہی تھی۔ وہ کسی صورت بھائی بننے کو تیار نہ تھا۔

''کیوں، کیا آپ میرے بھائی نہیں ہیں؟'' نیا جیسے سخت برا مان گئی تھی۔ میں نے تو بے اختیار قہقہہ لگایا ہی تھا، بلال بھی خجل ہو گیا۔

''خدانخواستہ میں کیوں تمہارا بھائی ہونے لگا؟''

''کیا؟......یعنی میں اتنی بری ہوں؟'' وہ جادتا روہانسی ہونے لگی۔ اور میں جو اس ڈرامے کا ڈائریکٹر تھا، خوب محظوظ ہو رہا تھا، بلال کی بے بسی سے۔

''یہ بات نہیں ہے۔ تم تو بہت اچھی ہو۔ مگر دیکھو، تم پہلے ہی اپنے اس ناخلف بھائی کے ہاتھوں تنگ ہو۔ پھر ایک اور بھائی کا کیا کرو گی؟ مجھے کزن ہی رہنے دو۔'' اس نے بڑے طریقے سے بات سنبھالتے ہوئے چوڑیاں آگے بڑھائیں جو نیا نے فوراً تھام لیں اور اسی وقت آدھی آدھی دونوں کلائیوں میں پہن لیں۔ اس کی کلائیاں جگ سی گئی تھیں۔

''آپ سے تو بلال بھائی اچھے ہیں۔ آم کیا مجھے کانوں میں یا گلے میں پہننے تھے؟'' وہ مجھے جلانے والے انداز میں کہتی باہر نکلنے لگی تو میں نے ہانک لگائی۔

''تو پھر اسی کو بھائی بنالو۔''

جواباً پیچھے سے بلال کا گھونسہ میرے شانے کی خبر لے گیا۔

بارش وقفے وقفے سے ہو رہی تھی اور یہ جھڑی کئی روز بھی لگی رہی۔ دوپہر ہونے والی تھی، جب میں نے نیا سے کڑھی پکوڑے بنانے کی فرمائش کر ڈالی۔

''میں نوکر نہیں لگی ہوئی۔'' وہ برآمدے میں کرسی بچھائے رسالے میں گم تھی۔ صاف جواب دے کر پھر سے کسی کہانی میں گم ہو گئی۔

''دیکھ لو......کہیں پچھتانا نہ پڑ جائے۔'' میں نے معنی خیزی سے کہتے ہوئے اپنی جیب تھپتھپائی تو اس نے بنا دیکھے سر جھٹک دیا۔

''آپ کا کام کر کے بھی انسان پچھتاتا ہی ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ نہ کر کے پچھتایا جائے۔'' اس کے صفاچٹ انداز پر میں نے ترپ کا پتا استعمال کیا۔

''یعنی کہ تمہیں اپنی سب سے پکی سہیلی زیبا کا خط نہیں چاہیے؟'' میں نے جیب میں سے خط کا لفافہ نکالا تو وہ مجھے تمسخرانہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

''یہ آپ ہی کو مبارک ہو۔''

میں نے مامی جی کو باورچی خانے سے نکل کر آتے دیکھ کر گویا ایک اور گواہ تیار کیا۔

''تو کیا تمہیں پکی سہیلی زیبا کا یہ خط نہیں چاہیے؟''

''جی نہیں۔ آپ چاہیں تو اسے تعویذ بنا کر گلے میں لٹکا لیں۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔'' وہ قدرے چڑ کر بولی۔

''اوں، ہوں......'' امی جی نے تنبیہی انداز میں اسے ٹوکا تھا۔

''کبھی انہیں بھی منع کر دیا کریں۔ شیطان کو مات کیے ہوئے ہیں یہ۔'' اس نے حسب عادت منہ پھلا لیا۔

''چلو بھئی، نہیں تو نہ سہی...... ہم ہی پڑھ لیتے ہیں۔'' میں نے لفافہ چاک کرتے ہوئے طمانیت سے کہا تو بلال نے میرے پاؤں پر پاؤں مار کر مجھے منع کیا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ خط چچ نیا کی سہیلی کا تھا۔

میں بلال کے اشاروں سے بے نیاز خط کھول کر با آواز بلند پڑھنے لگا۔

''پیاری نیا! السلام علیکم!

اُمید ہے کہ تم خیریت سے ہوگی۔ میں بھی بالکل ٹھیک ہوں۔ تمہارا خط آج ہی ملا ہے۔ فوراً جواب لکھ رہی ہوں۔ آج کل گرمی بہت شدید ہوگئی ہے۔ ایسے میں تمہارا خط ہوا کے ٹھنڈے اور خوشگوار جھونکے کی طرح لگتا ہے۔ اور تم سناؤ، تمہارے بھائی نے تمہیں تنگ کرنا چھوڑا ہے یا نہیں؟ ایک تو یہ لڑکے ہوتے بڑے اُلٹے دماغ کے ہیں۔ اب میرے منگیتر ا ور ہی کو لو، اس کا کام ہی مجھ سے لڑنا ہے۔ مگر ہر لڑائی کے بعد صلح کے طور پر وہ......''

میرے ساتھ ساتھ اب بلال بھی بہت محظوظ ہو کر خط سن رہا تھا۔ اتنے مضبوط حوالوں پر نیا نے چیل کی طرح جھپٹ کر خط میرے ہاتھ سے چھینا تھا۔

''شرم نہیں آتی آپ کو دوسروں کے خط پڑھتے ہوئے؟'' وہ روہانسی ہو رہی تھی۔ میرے اطمینان میں سر مو فرق نہ آیا۔

''خط ہمیشہ دوسروں کے پڑھے جاتے ہیں۔ اب خود کو تو خط لکھنے سے رہے۔ اور پھر اب اس تنتنے کا کیا مطلب ہے؟ تم تو لینا ہی نہیں چاہ رہی تھیں، یہ خط۔'' میں نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔ پھر ہاتھ سے اشارہ کر کے آرام سے کہا۔

''لاؤ، ادھر دو خط۔ ابھی مجھے تعویذ بنا کر گلے میں لٹکانا ہے۔''

''بہت بے ہودہ ہیں آپ۔ شرم نہیں آتی، آپ کو اس طرح کی حرکتیں کرتے ہوئے؟'' وہ چلا رہی تھی۔

''اچھا، اب یاد آیا ہے تمہیں۔ میں کہہ تو رہا تھا کہ لے لو۔ مامی جی گواہ ہیں۔ اور یہ بلال بھی۔'' میں نے مسکرا کر گویا جلتی پر تیل چھڑکا تھا۔

''بلال بھائی تو ہیں ہی تمہاری کا چمچہ۔'' وہ غصے میں کسی کا لحاظ نہیں کرتی تھی۔ اب بھی بلا تکلف بلال کو رگید گئی تو وہ کانوں تک سرخ پڑ گیا۔ میرے دل میں ٹھنڈک اترنے لگی۔ اسے بڑا شوق تھا، نیا کی سائیڈ لینے کا۔

''چلو، اب دو وادھر خط۔ ابھی تو مزہ آنے لگا تھا۔ ہم بھی تو دیکھیں، تمہاری پکی سہیلی کا منگیتر کیسے صلح کا پیغام دیتا ہے۔'' میرا انداز شرارت سے بھرپور تھا۔

''بہت برے ہیں آپ۔ آپ بس چلے جائیں اب واپس۔ جان عذاب میں ڈال دی ہے آپ نے۔ خبردار جو کبھی آئندہ میری سہیلیوں کے خط پڑھے ہوں تو۔'' وہ چیختی، پیر پٹختی اندر چلی گئی تو میں نے پیچھے سے ہانک لگائی۔

''یعنی یہ سب جاننے کے لئے مجھے اب لڑکیوں سے دوستی کرنا پڑے گی تاکہ مجھے بھی علم ہو کہ صلح کیسے کی جاتی ہے۔''

جواباً اس نے دھاڑ سے دروازہ بند کیا تھا۔ میں ہنستا ہوا دوبارہ کرسی پر نیم دراز ہوا اور ٹانگیں سامنے چارپائی پر پھیلا لیں، جس پر بلال لیٹا ہوا تھا۔

''تم جان بوجھ کر میری ریپوٹیشن بھی خراب کر رہے ہو۔'' وہ خفگی سے بولا۔

''میرا نہیں تمہارا اپنا قصور ہے۔ تم نے دل لگایا ہی غلط جگہ پر ہے۔'' میں طمانیت سے بولا۔

''بکواس مت کرو اور اب اٹھ جاؤ۔ یہاں سے تمہیں دیس نکالا مل چکا ہے۔'' اس نے کھڑے ہوتے ہوئے مجھے حقیقت بتائی تو کچھ سوچ کر میں بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ میرا ارادہ ہفتہ بھر بڑے ماموں کی طرف رہنے کا تھا اور یہ بھی پکا یقین تھا کہ واپسی تک نیا کا موڈ بھی بحال ہو چکا ہوگا۔ سو میں نے فوراً اپنا اصلی والا بیگ تیار کیا اور مامی جی کو بتا کر نیا کو علم ہونے سے پہلے ہم گھر سے نکل پڑے۔



بہت اچھا ایک ہفتہ بلال کے ساتھ گزار کر میں واپس لوٹا تو کیا ہی تھا۔ بلال کو ممانی جان نے کسی کام سے روک لیا تھا۔ مگر پھر بھی اس نے تین چار روز بعد آنے کا وعدہ کیا تھا۔

دروازہ نیا ہی نے کھولا تھا۔ پہلے تو وہ ٹکر ٹکر مجھے دیکھتی رہی، پھر آگے بڑھی اور میرے شانے سے لگ کر رونے لگی۔ یہ اس کی ہمیشہ کی عادت تھی۔ پھر بھی میں گڑبڑا گیا۔

''نمی! کیا ہو گیا ہے؟'' میں نے اس کے شانے پر بازو پھیلاتے ہوئے اندر کی طرف قدم بڑھائے اور بیگ زمین پر رکھ کر دروازہ بند کیا۔ صحن اور بطخوں والے حوض کے پار برآمدے میں ممانی جان بیٹھی ہماری طرف دیکھتی ہنس رہی تھیں۔

''بہت برے ہیں آپ۔ میں نے غصے میں بکواس کر دی تو آپ نے دل پر ہی لے لی۔ اتنے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں آپ کہ میرے بالکل پکے والے بھائی ہیں اور اتنی چھوٹی سی بات پر گھر چھوڑ کے چل پڑے۔ ذرا بھی خیال نہیں کیا میرا۔''

''میرے خیال میں یہ جذباتی سین اندر چل کے بھی ہو سکتے ہیں۔ یہاں کھڑے کھڑے تو میں پگھل جاؤں گا۔'' میں نے اس کا دھیان بٹانے کے لیے مسمسی صورت بنا کر کہا تو وہ رونا بھول بھال کر میرا بیگ اٹھائے مجھے بازو سے تھامے بچوں کی طرح تقریباً گھسیٹتی برآمدے تک لے آئی۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام!'' ممانی جان نے میرے جھکے سر پر ہاتھ پھیر کر ازلی محبت سے جواب دیا تو میں کرسی پنکھے کے نیچے گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ وہ ڈری سہمی سی ممانی جان کے پاس چارپائی پر ٹک گئی۔ میں اس کی شکل دیکھ کر ہنس پڑا۔

''قسم کھا رہا ہوں یار! ناراض ہو کے نہیں گیا تھا۔ وہ تو بلاول ضد کر رہا تھا۔ اور پھر بڑے ماموں سے بھی تو ملنا ہی تھا۔ پچھلی بار بھی ادھر کا ایک ہی چکر لگا تھا۔''

''تو پھر مجھے بتایا کیوں نہیں؟'' اس کی سانس بحال ہوئی تو اس نے مجھے گھورا۔

''اچھا ہے نا۔ ذرا تمہیں بھی احساس ہو کہ بھائی کو تنگ کرنا کس قدر بری بات ہے۔'' میں اطمینان سے بولا تو اسے بھی غصہ آ گیا۔

''اور بہن کو تنگ کرنا تو جیسے عین ثواب ہے نا۔'' اس کے طنزیہ لہجے پر میں نے اسے وارن کیا۔

''اب تم خود لڑائی کرنے پر تلی ہو۔ پھر دیواروں، دروازوں سے لپٹ کر روتی رہنا، جب چلا جاؤں گا تو۔''
''ہونہہ...... مجھے کیا ضرورت پڑی ہے؟'' وہ منہ چڑا کر بولی تو میں اس کی بھیگی بھیگی پلکوں کو دیکھ کر ہنس دیا۔
''چل، اب بس کر۔ کچھ کھانے کو ہی پوچھ لے۔'' ممانی جان نے اسے گھر کا تو میں بھی پھیلنے لگا۔
''اس میں یہی تو خرابی ہے بس۔''
''آپ تو ہیں نا، خامیوں سے پاک۔ بس پر ہی نہیں ہیں، ورنہ فرشتے ہوتے۔'' وہ طنز سے بولی تو میرے ساتھ ساتھ ممانی جان کو بھی ہنسی آ گئی۔
''چلو کوئی بات نہیں۔ تم بھی تو اتنا لڑتی ہو۔ یہ بے چارہ ذرا سا تنگ کر لیتا ہے تو کیا ہو گیا۔''
''یہ ذرا سا ہے؟'' اس نے ممانی جان کی بات سن کر صدمے سے انہیں دیکھا، پھر ناراضگی بھرے لہجے میں بولی۔
''اگر یہ آپ کی پکی سہیلیوں کے خط چھپاتے تو پھر میں دیکھتی کہ آپ کس طرح خوش خلاقی کا مظاہرہ کرتی ہیں۔''
''خدا کے لئے نمی! جا کے بھائی کے لئے شربت بنا لا۔ آتے ہی عدالت لگا کے بیٹھ گئی۔'' ممانی جان نے اسے ٹوکا۔
''جا رہی ہوں۔'' وہ پیر پٹختی باورچی خانے کی طرف گئی تھی۔
ذرا سی دیر کے بعد وہ اسکوائش کے جگ کے ساتھ موجود تھی۔ میں نے تین گلاس ایک ساتھ چڑھائے اور آخری گلاس منہ چڑائے بیٹھی نیا کی طرف بڑھا دیا۔
''جی نہیں...... شکریہ۔'' وہ خفگی سے پُر انداز میں بولی تو میں بولا۔
''بس یہی تو میں جاننا چاہ رہا تھا۔ تم پہلے ہی پی آئی ہو۔''
''جی نہیں۔'' وہ فوراً بولی تھی۔

''اچھا تو پھر پی کیوں نہیں رہیں؟......کیونکہ تم باورچی خانے ہی میں چوری چوری پی آئی ہو، اس لئے تمہارا دل نہیں کر رہا پینے کو۔'' میں نے اس پر حقیقت واضح کی تو وہ جھنجلا گئی۔

''جی نہیں، یہ بات نہیں ہے۔''

''تو پھر پی لو۔ جس نے چوری چھپے نہ پیا ہو، اس کا تو دل چاہتا ہے پینے کو۔ آخر اتنی گرمی ہے۔'' میں نے اطمینان سے کہا تو اس نے ایک جھٹکے سے گلاس میرے ہاتھ سے چھین لیا اور پھر تھی میز پر پٹخا، جب خالی ہو گیا۔ میں نے ممانی جان کی طرف دیکھتے ہوئے قہقہہ لگایا تھا۔

''دیکھا......اس کا دل کر رہا تھا، پینے کو۔''

وہ میری شرارت پر پھر سے روہانسی ہونے لگی تو میں اس کو منہ چڑاتا اٹھ کھڑا ہوا۔ ممانی جان نے بلال کے گھر والوں کا حال احوال پوچھا جو میں نے یونہی کھڑے کھڑے بتا دیا اور سونے کے لئے بیٹھک میں چلا آیا۔

اتنی گرمی میں ٹھنڈے کمرے کا سکون میرے اندر تک اترتا چلا گیا۔ میں کپڑے بدلنے کی زحمت کے بغیر پنکھا فل اسپیڈ پر چلا کر بستر پر گر سا گیا۔ چند سیکنڈ لگے تھے مجھے سونے میں۔

پتہ نہیں، کتنی دیر سویا ہوں گا۔ گرمی کے شدید احساس سے میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا، کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ باہر شام نے ڈیرے ڈال دیئے تھے اور کمرے میں نیا موجود تھی۔ اس نے ٹیوب لائٹ جلا دی تھی، جو عین میرے سر پر تھی۔ پنکھا اس کی وجہ سے بھی شاید مجھے گرمی محسوس ہو رہی تھی۔

''نمی کی بچی!......پنکھا کیوں بند کیا ہے؟'' میں نیند میں تھا، اس لئے میں نے دھاڑنے کے بجائے غرانا مناسب سمجھا۔

''کیونکہ یہ آپ کو جگانے کا سب سے آسان اور بچت والا طریقہ ہے۔'' وہ ہنستی ہوئی موڑھا گھسیٹ کر میرے سامنے بیٹھ گئی۔ ''اب اٹھ جائیں نا......آپ سے ایک بہت ضروری بات کرنی ہے۔''

''پہلے پنکھا چلاؤ۔ ورنہ تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا کہ میں شرم سے پانی پانی ہو گیا ہوں یا گرمی سے۔'' میں نے اسے گھورا تو اس نے مزید چوں چرا کئے بغیر پنکھا چلا دیا اور پھر سے موڑھے پر آ بیٹھی۔

''دراصل میں آپ سے معافی مانگنے آئی ہوں۔ میں نے آپ سے بہت بدتمیزی کی تھی۔ میری وجہ سے آپ کو تایا جان کے گھر جانا پڑا......سوری۔'' وہ بڑی معصومیت اور شرافت کے ساتھ گویا تھی۔ میں نے گہری سانس لی۔

''جی تو چاہ رہا ہے کہ ایک زوردار تھپڑ تمہارے منہ پر مار کر دیکھوں، کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔''
میری بات سن کر اس نے بے اختیار موڑھا پیچھے کھسکایا تھا۔ میں ہنس کر اٹھ بیٹھا۔
''احمر بھائی! میری ایک بہت اچھی سہیلی ہے۔''
''پکی والی؟'' میں نے اس کی بات میں لقمہ دینا مناسب سمجھا تو اس نے اثبات میں سر ہلایا، پھر تاسف سے بولی۔
''پتہ ہے جب میں نے اسے بتایا کہ آپ بہت ذہین اور پڑھے لکھے ہیں اور بہت لائق بھی تو اس نے بڑا مذاق اڑایا۔''
''تمہارا......؟'' میں محظوظ ہوا۔
''نہیں......آپ کا۔'' وہ ہنسی تو میں نے اسے گھورا۔
''اسے کیا تکلیف ہے؟''
''تکلیف نہیں، بیماری ہے۔'' اس نے تصحیح کی۔ ''وہ کہتی ہے کہ لڑکے بہت بے وقوف اور احمق ہوتے ہیں۔ ان کا ذہانت سے دور پار کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔'' جوں جوں وہ تفصیل بتا رہی تھی، میرا پارہ ہائی ہو رہا تھا۔
''یہ سب وہ لڑکوں کے متعلق کہہ رہی تھی؟'' میں نے اپنا نام لینا مناسب نہیں سمجھا۔
''بالکل......بلکہ وہ تو آپ سے متعلق بھی کہہ رہی تھی۔''
''مگر میں تو اسے جانتا بھی نہیں ہوں۔ پھر وہ کیوں مجھ سے متعلق بات کر رہی تھی؟'' خود پر بات آنا تو مجھ سے برداشت ہی نہیں ہوتا تھا۔ میں نے تیوریاں چڑھائیں۔ وہ کھلکھلائی۔
''لو بھلا۔ کسی کے متعلق بات کرنے کے لیے اسے جاننا ضروری تو نہیں ہوتا۔ ویسے وہ میری سب سے پکی سہیلی ہے۔ بے چاری کے ماں باپ نہیں ہیں۔ اپنی پھپھو کے پاس رہتی ہے۔ مگر ہے بہت اچھی۔'' وہ اپنی سب سے پکی سہیلی کی شان میں رطب اللسان تھی۔ میں نے دانت کچکچائے۔

''تم اپنا یہ پہیلی نامہ بند کرو اور گیٹ آؤٹ ہو جاؤ۔''

''تو کیا آپ اس کا یہ خیال غلط ثابت نہیں کریں گے کہ لڑکے بے وقوف اور احمق ہوتے ہیں؟'' وہ مایوسی سے بولی تو مجھے پھر غصہ آنے لگا۔

''ہر بے وقوف اور احمق، دوسرے کو اپنے جیسا سمجھتا ہے۔'' میں نے اس پر حقیقت واضح کی اور بستر سے نیچے اتر آیا۔

''جی نہیں......میری پہیلی ایسی نہیں ہے۔ بس تھوڑی سی سادہ ہے۔'' وہ مان گئی۔ پہیلیوں کے پیچھے جان دینے والی لڑکی میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھی تھی۔

''مجھے کیوں بتا رہی ہو؟ چاہے سادہ ہو یا قوام والی، مجھے کیا کرنی ہے؟'' میں اسے گھورتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا تو کوئی بڑے زور سے مجھ سے ٹکرا گیا۔ میرا دھیان پوری طرح نیہا کی طرف تھا، اس لیے میں اس حادثے سے سنبھل نہیں سکا۔ اگلے ہی لمحے میں زمین بوس تھا۔ نیہا کی ہنسی پر میں ہوش میں آیا۔ جس سے میں ٹکرایا تھا وہ شعلہ جوالا بنی دروازے میں کھڑی مجھے گھور رہی تھی۔ میں غصے اور خجالت میں گھرا فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔

''طریقہ نہیں آتا تمہیں چلنے کا؟''

''اے ہے......میں چل نہیں رہی تھی، بھاگتی ہوئی آ رہی تھی۔ تم ہی راستے میں آ گئے تھے۔ اور راستے میں پڑے ہوؤں کا یہی حال ہوتا ہے۔'' بالوں میں تیل چپڑے، آنکھوں میں ڈوییاں بھر بھر سرمہ ڈالے اتنی شدید گرمی میں وہ گہرا گلابی، چلچلاتا لباس پہنے بڑے تنفر سے کہہ رہی تھی۔ میں بھونچکا رہ گیا۔ یہ کرائی ناپ کی لڑکی کس قدر چٹاخ پٹاخ بول رہی تھی۔

''اسد بھائی! یہ میری سب سے پکی سہیلی ہے مہرو۔'' نیہا نے صورتِ حال بھانپتے ہوئے فوراً خیر سگالی کا مظاہرہ کیا تھا۔ میرا منہ کڑوا ہو گیا۔

''بہت برا ٹیسٹ ہے تمہارا۔''

''یہ بہت اچھی ہے اسد بھائی!'' نیہا نے مجھے یقین دلانے کے لیے زور دے کر کہا تو میں نے ایک سرسری نظر اس ''اچھی'' کے سراپے پر ڈالی تو میرا سر چکرانے لگا۔ اس کے لباس کا رنگ دیکھ کر مجھے ابکائی آ رہی تھی۔

''یہ ہیں تمہارے احمق بھائی؟'' وہ پسلی پر ہاتھ جمائے قدرے آنکھیں میچ کر میرا جائزہ لیتے ہوئے بولی تو میرا جی چاہا، ایک گھونسا اس کے جبڑے پر دے ماروں، جو اس نے اس قدر گرمی میں بھی میک

اپ سے آتشی گلابی کر رکھا تھا۔
''احمق نہیں، احمر بھائی۔'' نیا نے جلدی سے تصحیح کی تو اس نے لاپروائی سے ہاتھ ہلایا۔
''ایک ہی بات ہے۔''
''شٹ اپ، یو اسٹوپڈ۔'' میرا پارہ ہائی ہو گیا۔ اتنے آرام سے وہ میرا بی پی ہائی کر رہی تھی۔ میں دانت پیس کر بہت غصے سے بولا مگر اُدھر کہاں اثر تھا، بولی۔
''ایک تو شہری لڑکوں کو جب بات نہیں کرنی آتی تو وہ انگریزی میں گٹ پٹ کرنے لگتے ہیں۔ ہے نا؟'' اس کے ٹھٹھا مار کر ہنسنے پر میں سخت ناگواری محسوس کرتا بمشکل خود پر قابو پا کر کمرے سے نکل گیا۔



اگلے دن جب میں، نیا اور ممانی جان کے ساتھ ٹھنڈے آموں سے لطف اندوز ہو رہا تھا، تب وہ چلی آئی۔ وہی آنکھوں میں من من بھر سرمہ، تیل سے چپڑے بال اور تیز اورنج کلر کا سوٹ پہنے وہ دہکتے کوئلے کی انگیٹھی بنی ہوئی تھی۔
''آخ......'' میرا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ رات کو میری نیا سے اچھی خاصی جھڑپ ہوئی تھی اور اس کا سبب یہی شعلہ جوالا تھا۔
''اسلاما لیکم۔'' اس کے طریقہ سلام پر میں نے جواب نہیں دیا، بلکہ اسے گھور کر دیکھا۔
''یہ کیا طریقہ ہے، سلام کرنے کا؟ کہتے ہیں، السلام علیکم۔ اسلاما لیکم کا مطلب ہوتا ہے تم مر جاؤ۔''
میرے جتانے والے انداز پر وہ ذرا برابر بھی شرمندہ نہیں ہوئی۔ اسی اطمینان سے بولی۔
''اچھا......تو پھر میں بھی اسلاما لیکم۔'' اس قدر بے ہودگی پر میں تپ کر رہ گیا۔ نیا نے قہقہہ لگایا تھا۔
''مہرو! آم کھاؤ گی؟'' ممانی جان نے پلیٹ اس کے آگے کی تھی اور اس کے بعد اس نے جس طرح اور جس رفتار سے آم کھانے شروع کیے، مجھے اپنے پسندیدہ ترین پھل سے نفرت ہونے لگی۔ وہ قطعی

خیال نہیں کر رہی تھی کہ آم کا رس اور گودا اس کی باچھوں سے بہہ کر اس کی گود میں گر رہا ہے۔ اس پر مستزاد جس طرح وہ با آواز بلند آم چوس رہی تھی...... اف۔ کراہت آمیز احساس کے ساتھ میں نے پلیٹ واپس رکھ دی، جس میں نیما نے مجھے نہایت نفاست سے آم کی قاشیں کاٹ کر دی تھیں۔

"بڑے میٹھے ہیں یہ تو۔" اس نے کھاتے کھاتے بھی بولنے کا موقع نکال ہی لیا۔ نیما ہنسی تھی۔

"بھائی لائے ہیں۔"

"یہ...... احمق بھائی؟" وہ منہ پھاڑ کر ہنسی تو میرا جی چاہا، اس کا گلا ہی دبا دوں۔

"بکواس نہیں کرو۔ احمر ہے میرا نام۔" میں غرایا تھا۔ مجھے احساس ہو گیا تھا کہ یہ لڑکی اس قابل نہیں ہے کہ اس سے اخلاق کا مظاہرہ کیا جائے۔ ورنہ تو میں بہت نفیس مزاج اور با اخلاق مشہور تھا۔

"مجھے تو دونوں ایک جیسے ہی لگتے ہیں۔" وہ حسب عادت ٹھٹھا مار کر ہنسی تو میں کلس کر رہ گیا۔ وہاں بیٹھ کر اپنا خون جلانے سے بہتر مجھے یہی لگا کہ میں کمرے میں چلا جاؤں۔ سو میں وہاں سے اٹھ گیا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد نیما اس "مالٹے" کو لے میری خدمت میں حاضر تھی۔

"احمر بھائی! یہ میری سہیلی ہے۔ سب سے پکی والی مہرو۔" نیما کے دوبارہ سے تعارف کروانے پر میں چڑ گیا۔

"کچھ زیادہ ہی پکی لگ رہی ہیں۔" میں دانت پیس کر بولا۔

"اوفوہ! ایک تو آپ کو غصہ بہت جلدی آتا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ میں نے اسے بتا دیا ہے کہ آپ کتنے لائق اور ذہین ہیں اور میں نے اسے چیلنج کیا ہے کہ آپ اسے بھی پڑھا سکتے ہیں۔ اور اس کا کہنا ہے کہ اگر آپ ناکام رہے تو پھر آپ بڑے احمق ہوں گے۔"

نیما جلدی جلدی کہہ رہی تھی۔ میں سر تھام کر رہ گیا۔ کتنے آرام سے وہ مجھے پھنسا رہی تھی۔

"مگر میں کوئی ٹیچر تو نہیں ہوں۔ اور ویسے بھی میں یہاں چھٹیاں گزارنے آیا ہوں، ٹیوشن دینے نہیں۔" میں نے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے صاف انکار کر ڈالا۔

''میں نے کہا نہیں تھا؟'' مہر وقفاخرانہ نظروں سے نیا کو دیکھتے ہوئے بولی تو میرا جی چاہا ایک ہاتھ گھما دوں۔ بمشکل اس خواہش پر قابو پایا۔

''یقین کرو مہرو! یہ بہت لائق فائق ہیں۔ انگلش تو یوں فرفر بولتے ہیں۔'' نیا بے چاری میرا مقام بلند کرنے کی کوشش میں ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔

''میں تو تب مانوں، جب یہ مجھے بھی پڑھا کے دکھائیں۔ ہونہہ، چاہے کتاب الٹی پکڑی ہوئی ہو، لوگ تو یہی سمجھیں گے کہ احمق صاحب انگریزی پڑھ رہے ہیں...... احمر صاحب۔'' اس نے یقیناً میرے چہرے کی سرخی دیکھ لی تھی، اسی لئے جلدی سے بولی۔

''تم پڑھالو نا، اس کو۔ اب تو بارہویں میں ہو۔'' میں نے نیا کو گیٹ آؤٹ ہونے کا اشارہ کیا مگر ادھر شاید کوئی زیادہ ہی بڑی شرط لگی تھی۔

''مگر میرے پاس تو اتنا ٹائم نہیں ہوتا۔ چھٹیوں کے بعد میرے ایگزیم ہیں۔ پلیز، احمر بھائی!''

''نمی!...... گیٹ آؤٹ۔ اور اس مادر پدر کو بھی لے جاؤ۔ یوں لگ رہا ہے جیسے چار سو چالیس وولٹ کی بجلی روشن ہے کمرے میں۔'' میں نے رکھائی اور بدتہذیبی سے کہا تو نیا منہ پھلائے اس کا ہاتھ تھامے رخصت ہوگئی۔ میں نے طویل سانس لی۔

کھانے پر نیا کی ناراضگی مجھ پر واضح ہوگئی تھی۔ پہلے وہ ہر چیز مجھے بڑھ بڑھ کے پیش کرتی تھی، مگر کھانے پر اس نے پانی کا گلاس تک بھر کے نہیں دیا۔ ماموں جان کے اٹھتے ہی میں نے اس کی چٹیا گرفت میں کی تھی۔

''دیکھ رہی ہیں ممانی جان اسے، وہ جاہل لڑکی اسے اپنے بھائی سے زیادہ عزیز ہے۔'' میں دانت پیستے ہوئے بولا تو وہ روہانسی ہو کر اپنی چٹیا چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔

''بھئی میں تو سمجھا سمجھا کے تھک گئی ہوں اسے۔ پتہ نہیں کیوں ہر وقت اس کی جان سہیلیوں میں ہی اٹکی رہتی ہے۔'' ممانی جان بیزاری سے کہتے ہوئے برتن سمیٹنے لگیں۔ میں نے اس کی چٹیا کو جھٹکا دیا تھا۔

''شرم نہیں آتی تمہیں۔ اس قدر بے ہودہ، جاہل اور گنوار لڑکی ہے وہ کہ حد نہیں۔''

''اور خود کو دیکھیں، کیسی زبان استعمال کر رہے ہیں، اس کے متعلق۔'' اس نے اپنی چٹیا زبردستی چھڑا کر طنز کیا مگر مجھ پر اثر نہیں ہوا۔

''ہاہ...... پکی، اچھی اور سادہ...... یہی تعریفیں کر رہی تھیں نا تم اس کی؟'' میں اب طنز و استہزا پر اتر آیا تھا۔ ''اتنے لوازمات تو زردے یا بریانی میں بھی نہیں ہوتے جتنے وہ لادے پھر رہی تھی۔ غضب خدا کا، اتنی گرمی میں بھی کوئلے کی طرح دہکتی پھرتی ہے۔''

''واہ، اتنا گورا رنگ تو ہے اس کا۔'' نیا نے سخت برا مان کر احتجاج کیا تھا۔

''اسی لئے ہر وقت چھتری ہی گھومتی رہتی ہے۔ نہ کھانے پینے کی تمیز ہے، نہ بات کرنے کی۔ بس ختم کرو اس سے دوستی۔'' میں بالکل بڑے بھائیوں کی طرح اس پر رعب ڈال رہا تھا۔

''احمر بھائی! آپ کو نہیں پتہ، وہ میری بڑی اچھی سہیلی ہے۔ اور سب سے پکی بھی۔ وہ تو بس ذرا سادہ سی ہے، اسی لئے ایسی ہے۔''

''واہ! یہ سادگی ہے تو پرکاری کیا ہوگی؟'' میں نے تمسخر اڑایا تھا۔

''کوئی نہیں۔ وہ تو اتنی اچھی ہے۔ پتہ نہیں، آپ کو کیا ہو گیا ہے۔'' وہ ناراضگی سے بولی تو میں چڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''دماغ ٹھیک ہے میرا ابھی، اس لئے۔''

''آپ ناراض تو مت ہوں نا۔'' وہ منمنائی تو میں نے اسے گھورا، پھر دانت پیس کر بولا۔

''اس ''ست رنگی'' کو تم مجھ پر فوقیت دو اور میں خاموشی سے دیکھتا رہوں۔ کس کتاب میں لکھا ہے؟ دیکھا تھا، مجھ سے کتنی بدتمیزی سے بات کر رہی تھی وہ؟''

''وہ تو اس کا انداز ہی ایسا ہے۔ میں اس کے پیچھے تو آپ سے ناراض نہیں ہو رہی۔ وہ تو مجھے یہ خیال آ رہا تھا کہ میں نے کچھ زیادہ ہی دعوے کر دیئے تھے اس سے آپ کے متعلق۔ اب آپ اسے نہیں پڑھائیں گے تو وہ سارے محلے میں آپ کو احمق اور بے وقوف مشہور کر دے گی۔''

وہ منہ بسورتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ پھر بڑے رسان سے بولا۔

''تمہیں کیا ضرورت تھی، اتنا فضول چکر چلانے کی؟ اور پھر اس کے کہنے سے میں نہ تو احمق ہو جاؤں گا اور نہ ہی جاہل۔ سو فارگیٹ اٹ۔'' میں نے اپنی طرف سے بات ختم کر دی مگر نیا کو سمجھانا اتنا آسان

کام نہیں تھا۔ وہ فوراً راضی ہونے لگی۔
''مگر میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتی کہ وہ میرے بھائی کے متعلق کچھ بات کرے۔ آپ اتنے لائق ہیں تو پھر وہ کیوں آپ کو نالائق مشہور کرے؟''
''چندا!...... بات اتنی بڑی نہیں، جتنی تم بڑھا رہی ہو۔'' میں چڑ گیا۔ بھلا وہ گنوار چیز کیا تھی کہ اس کی کسی بات کو یوں سر پر سوار کیا جاتا اور جس کی ''بات'' کے متعلق میرا یہ خیال تھا اسے سر پر سوار کرنا تو ناممکن بلکہ بکواس بات تھی۔
''وہ سب سہیلیوں کو بتا دے گی۔'' نیا نے دہائی دی تو میں دانت پیستا اسے گھورتا باہر ماموں کے پاس چلا گیا۔



میں اور بلال باتوں کے ساتھ ساتھ آلو بخارے بھی کھا رہے تھے، جب دروازہ کھلا اور مہر و نمودار ہوئی۔ اس کے وہی لشکارے تھے۔ وہی بڑا الھڑ میاروں کا سا انداز تھا۔ میرے کراہنے پر بلال ہنسا تھا۔
''اسلام علیکم!'' اس نے حسب عادت و معمول سلامتی کے بجائے شاید ہم پر لعنت بھیجی تھی۔ بلال نے تو خوش دلی سے جواب دیا، مگر میں نے فقط ''وعلیکم'' کہنا ہی کافی سمجھا۔
اس کے آنے پر نیا کھل سی گئی تھی۔ فوراً ہی اسے موڑھا پیش کیا تو وہ تشریف فرما ہو گئی۔ بلکہ ساتھ ہی بڑی بے تکلفی سے میز پر پڑی پلیٹ میں سے موٹا سا آلو بخارا اٹھا کر کھانے بھی لگی۔ اس کی گود میں سفید رنگ کی بلی بھی تھی، جو بڑے اطمینان سے ہمیں گھور رہی تھی۔ جواباً میں نے نیا کو گھورا تو اس نے مسکین سی شکل بنائی۔ میں کھنکارا۔
''نیا کہہ رہی تھی کہ تم پڑھنا چاہتی ہو؟'' میں نے پوچھا تو بہ عجلت میری بات کا جواب دینے کے لیے ''پھو'' کی آواز کے ساتھ آلو بخارے کی گٹھلی منہ سے باہر نکالی، جو جیٹ طیارے کی طرح آ کر میری پیشانی سے چپک گئی۔
''اوہ یو ایڈیٹ!'' میں کرسی کی پشت چھوڑ کر یوں سیدھا ہوا، جیسے اس میں کسی نے کرنٹ چھوڑ دیا ہو۔ بلال کا قہقہہ میرے طیش کو بڑھا گیا تھا۔
''خیر ہے جی۔'' وہ لاپروائی سے ہاتھ ہلا کر بولی اور پھر سے آلو بخاروں کی پلیٹ ٹٹولنے لگی۔ نیا نے میرے غصے کا اندازہ کرتے ہوئے جلدی سے اپنے دوپٹے کے ساتھ میری پیشانی پونچھی تھی۔

''سوری، احمر بھائی!''

''ویری انٹرسٹنگ یار!'' بلال کی ہنسی بمشکل تھمی تھی۔ میں نے قہر آلود نظروں سے اسے دیکھا۔ دوسری نظر مہرو بی بی پر ڈالی۔ وہ ''شڑپ شڑپ'' کر کے آلو بخارے چوس رہی تھی۔

''بڑا ہی گھٹیا انداز ہے تمہارا، آلو بخارے کھانے کا۔'' میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے اس پر چڑھائی کی تو وہ بڑی بے نیازی سے بولی۔

''یہ تو میں ذرا سادگی پسند ہوں، اس لئے ایسے کھا رہی ہوں۔ ورنہ تو میں چھری اور کانٹے کے ساتھ کھاتی ہوں۔''

''اللہ تیری شان......میں اسے دیکھ کر رہ گیا جبکہ بلال بلاتکلف اس لطیفے پر ہنس رہا تھا۔

''کتنا پڑھی ہو تم؟''

''جی، میٹرک کر ہی لیا تھا، اگر ابا مجھے اسکول سے نہ اٹھوا لیتے۔ میں جی بڑی لائق تھی۔ ساری استانیاں مجھ ہی سے اپنے بالوں میں تیل لگوا کر چمپی کراتی تھیں۔ میں بڑی ذہین بھی ہوں جی۔ جتنی بھی استانیاں ایک دوسرے کے خلاف باتیں کرتی تھیں، مجھے یاد ہوتی تھیں۔ وہ میں دوسری استانیوں کو بتا دیتی تھی۔''

میں اس کی لیاقت اور ذہانت پر ششدر رہا تھا جبکہ بلال کے ہاتھ اپنے پیٹ پر تھے۔ یقیناً ہنس ہنس کر اس کے پھیپھڑے دکھ رہے تھے۔

''مہرو احمر بھائی پوچھ رہے ہیں، تم کتنی کلاسیں پڑھی ہو؟''

نیا نے معاملہ سنبھالتے ہوئے قدرے سختی سے پوچھا تو اس نے بدستور آلو بخارا چوستے ہوئے ایک ہاتھ کی پانچ انگلیاں دکھائیں اور بے نیازی سے بولی۔

''پوری چھ......''

میں اس کی قابلیت پر گہری سانس بھر کے نیا کی طرف متوجہ ہوا۔

''اب تم کیا چاہتی ہو کہ میں اسے الف سے پڑھانا شروع کروں؟''

''خیر۔ اب اتنا تو یہ بھی پڑھی ہوئی ہے۔'' وہ فوراً بولی تھی۔ چند لمحوں کے لئے میں نے کچھ سوچا اور پھر بولا۔
''چلو تم بھی کیا یاد کرو گی۔ پڑھا دوں گا میں اسے۔ مگر پہلے ذرا چیک ضرور کروں گا کہ اسے کچھ آتا بھی ہے کہ نہیں۔''
''پر جی مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ آپ کو بھی کچھ آتا ہے کہ نہیں؟'' وہ بڑی ہوشیاری سے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے مجھے زہر لگی تھی۔ اب تو وہ میرے لئے چیلنج ہی بنتی جا رہی تھی۔ میں دل میں تہیہ کر چکا تھا کہ اسے سیدھا کر کے رکھ دوں گا۔
''تم تو بڑی ذہین ہو بہروا'' بلال کی تعریفی سند پر اس نے شرما کر ایک اور آلو بخارا دانتوں تلے دبایا تو میں اس کے ہونٹوں سے لے کر ٹھوڑی تک بہتے رس کو دیکھ کر بمشکل ابکائی روک سکا۔
''خدا کے لئے نمی! اسے رومال ہی دے دو۔'' میری التجا پر نیا نے ہنستے ہوئے اسے منہ صاف کرنے کو کہا۔ اس نے اپنی آستین کو رومال کی جگہ استعمال کرتے ہوئے منہ پونچھا تو اس کی گہری گلابی لپ اسٹک مضحکہ خیز انداز میں اس کے رخساروں پر پھیل گئی۔
''آپ بھی مجھ سے چاہیں تو پہلے امتحان لے لیں۔ مجھے سب پتہ ہے۔'' وہ تفاخر سے بولی تو بلال نے شرارتی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے اس سے کہا۔
''اچھا...... کیا کیا پتہ ہے تمہیں؟''
''ہر بات...... خالہ زینے کی مرغیاں آج کل کتنے انڈے دے رہی ہیں، آپا صغریٰ کی اس کے میاں کے ساتھ کس بات پر لڑائی ہوئی تھی، نہر کے کنارے پر کس کی ملاقات کس سے طے ہے اور......''
وہ بغیر کوما اور فل اسٹاپ کے تاتنے ان سٹیس انداز میں شروع ہوئی کہ ہم تینوں بس منہ اور آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتے ہی رہ گئے۔ وہ سانس لینے کو رکی تو میں نے وہیں سے اسے تھام لیا۔
''بڑی گھٹیا لج ہے تمہاری۔''
''واہ جی...... آپ سمجھتے کیا ہیں خود کو۔ آتا جاتا کچھ ہے نہیں اور سمجھتے پتہ نہیں کیا ہیں خود کو۔ صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ مجھے نہیں پڑھا سکتے۔''
وہ چمک کر بولی تو میں دانت پر دانت جمائے اسے گھورنے لگا۔ کوئی اور لڑکی ہوتی تو وہ چاہے نہ ڈرتی مگر جھجک کر نظریں ضرور پھیر لیتی۔ مگر وہ بھی جواباً مجھے گھورتی رہی تھی۔ اکتا کر میں ہی نیا کی طرف متوجہ ہوا۔

''امپاسیبل نہ! ابھی میں پاگل نہیں ہونا چاہتا۔''

''بھائی! پلیز۔ اب تو میری سہیلیوں کے ساتھ شرط بھی لگ گئی ہے۔ زیادہ نہیں تو تھوڑا بہت۔'' نیا کی مسکین سی شکل پر ترس آنا اپنی جگہ مگر مجھے اپنی ذہنی حالت کی اہمیت کا بھی اتنا ہی احساس تھا۔ مگر میز کے نیچے سے بلال نے اپنا پیر میرے پیر پر رکھ کے دبایا تو لمحہ بھر کے توقف کے بعد میں نے حامی بھر لی۔ پھر میں مہر وکی طرف متوجہ ہوا، جو اپنی بلی کے گلے دونوں پنجے پکڑے اسے جھلاتے ہوئے کھیل رہی تھی۔

''چلو، اب تھوڑے سے سوالوں کے جواب دے دو۔''

''ہاں جی...... پوچھو۔'' وہ اطمینان سے بولی۔

''ہم کون ہیں؟'' میں نے بہت سوچ کر بے حد آسان سوالات سے شروع کیا تھا۔ پانچ سے جواب آیا۔

''انسان۔''

''چلو جی......'' میں نیا کو گھورنے لگا۔ ''یہ تو اسٹارٹ ہی جھوٹ سے کر رہی ہے۔ ایمان سے بتاؤ، لگتی ہے یہ اس سیارے کی مخلوق؟''

''مجھے بھی یہ ایلین لگ رہی ہے۔ کسی اور سیارے کی مخلوق۔'' بلال ہنسا تو نیا ناراض ہونے لگی۔ تب مجھے مجبوراً اپنی اسٹوڈنٹ کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

''میرا مطلب تھا کہ...... ہمارا مذہب کیا ہے؟'' میں نے سوال کی ترتیب ذرا بدلی تو وہ پُرتفکر انداز میں مجھے دیکھتے ہوئے سادگی سے بولی۔

''آپ کا تو جی مجھے پتہ نہیں۔ پھر میں تو جی پکی پکی مسلمان ہوں۔'' اس کے انداز میں چھپی ہمدردی مجھے تلملانے پر مجبور کر گئی۔

''ویری ویل سیڈ۔'' بلال بے اختیار قہقہہ لگا کر ستائشی انداز میں بولا تو وہ بے نیازی سے اپنی بلی کو ہوا میں اچھال کر کیچ کرنے لگی۔

اور پھر بجائے اس کے کہ میں اسے ہری جھنڈی دکھا دیتا، میں نے وہ مصیبت مول بلکہ مفت لے لی۔



ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں بارش کا پتہ دے رہی تھیں۔ میں نے نیا کو زبردستی پکوڑے بنانے پر لگا رکھا تھا۔ خود میں اور بلال درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے جو کہ بچھائی تو بلال نے تھی مگر میں اپنی غاصبانہ طبیعت کی بنا پر اُس پر قابض تھا۔

ہم دونوں کی گفتگو کا مرکز مہرو ہی تھی۔ کبھی مجھے غصہ آنے لگتا اور کبھی ہنسی کہ اتنی بری (شکلاً اور عادتاً) لڑکیاں بھی ہو سکتی ہیں۔ اور یہ بھی شاید بدقسمتی ہی تھی کہ اسی وقت وہ اپنی مانو کو بازو پر لٹکائے، دوسرے ہاتھ میں چند کتابیں اٹھائے چلی آئی۔

''بلال! آج مجھے یقین ہو چلا ہے کہ میں بہت گناہ گار ہوں۔'' میں یونہی لیٹے لیٹے خراماں خراماں اپنی طرف بڑھتی مہرو کو دیکھتے ہوئے دل گرفتگی سے بولا۔ بلال نے ابھی اسے نہیں دیکھا تھا۔ کیونکہ وہ میری پائنتی لیٹا ہوا تھا۔

''اس میں تو پہلے بھی کوئی شک نہیں تھا۔

''اسلاما علیکم۔'' وہی لٹھ مار انداز تھا۔ میرے ساتھ بلال بھی اٹھ بیٹھا۔

''میں نے تمہیں سمجھایا بھی تھا کہ اس طرح سلام نہیں کرتے۔'' میں اسے ٹوکنے سے باز نہیں رہ سکا تھا۔ مگر حسب عادت اس نے میری بات کو درخور اعتنا نہیں جانا تھا۔

''ہم مسلمان ہیں جی۔ ایسے ہی سلام کرتے ہیں۔'' وہ بڑے غرور سے یوں بولی، جیسے میں خدانخواستہ دائرہ اسلام سے باہر تھا۔

''تو آج مہرو بی بی پڑھنے آئی ہے۔'' بلال کو میری حالت بہت لطف دے رہی تھی۔ مہرو نے یونہی جھومتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا اور پھر دفعتہً خلا میں گھورتے ہوئے اُس نے سونگھنے کی کوشش کی، پھر ایک نعرہ سا لگایا۔

''پکوڑے...... آہا۔ یہ پکڑنا ذرا۔'' وہ اپنی بلی میری گود میں پٹخ کر اگلے ہی لمحے باورچی خانے میں تھی۔ جبکہ میں اس ''گود بھرائی'' پر بوکھلا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ مانو بے چاری اس افتاد اور اپنی بے قدری پر ہراساں ہو کر مہرو کے پیچھے لپکی۔

''اسٹوپڈ، ایڈیٹ، ال میرڈ، مان سینس، وائلڈ۔'' میں نے جس قدر ہو سکا، اُسے شائستہ انداز میں کوس ڈالا۔ جبکہ بلال اب پوری چارپائی پر بے فکری سے براجمان، ہنس ہنس کر مجھے مزید غصہ دلا رہا تھا۔

''یہ تمہاری اسٹوڈنٹ ہوتی ہے۔''

''دو دن میں ساری چوکڑی بھلا دوں گا۔ تم دیکھتے جاؤ۔'' کینہ پرور تو میں بھی بہت تھا۔

پکوڑے میں تو کیا کھاتا، بمشکل ہی ایک پلیٹ برآمد ہو سکی۔ پتہ چلا کہ مہرو نے حسب عادت ہمارے حصے کا راشن چٹ کر لیا ہے۔ میں غصے سے نیا کو گھورنے لگا۔

''یہ بھی کھا لیے ہوتے۔ اتنی زحمت کی کیا ضرورت تھی؟'' میں نے طنز کیا تو نیا شرمندہ سی ہو کر کچھ بولنے لگی۔ مگر اس سے پہلے ہی مہرو نے جنگلی پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے پلیٹ میرے ہاتھ سے جھپٹ لی۔

''میں تو پہلے ہی کہہ رہی تھی کہ یہ لڑکیوں کا کھاجا ہے لڑکے کہاں پسند کرتے ہیں یہ سب۔''

میں نے مٹھیاں بھینچتے ہوئے بے تکلفانہ پن برداشت کیا تھا۔ اتنی ہمت تو کبھی نیا نے بھی نہیں کی تھی بلکہ جہاں جہاں سے میری ناراضگی کی حد شروع ہوتی تھی، اس ایریے سے وہ اچھی طرح واقف تھی۔ اور یہ جاہل اور جنگلی اتنی دیدہ دلیری سے مجھے یوں رگید رہی تھی۔

بڑے اطمینان اور تسلی سے پکوڑوں پر ہاتھ صاف کرنے کے بعد اس نے اپنے ہاتھ بڑی بدتمیزی کے ساتھ قمیص کے دامن سے صاف کیے اور دھڑام سے چارپائی پر بیٹھ گئی۔ بلال بدک کر پرے ہوا تھا۔

''چلو جی، ماسٹر جی!'' وہ بڑے تمسخرانہ انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا۔

میرا خون کنپٹیوں میں ٹھوکریں مارنے لگا۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا، وہ میرے لیے مزید ناپسندیدہ ہوتی جا رہی تھی۔

''ابھی یوں کرتے ہیں کہ میں تمہیں پڑھا دیتا ہوں۔''

میرے موڈ کے پیش نظر بلال نے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔ مہرو نے سابقہ انداز میں مجھے دیکھا اور طنزاً بولی۔

''کیوں؟ یہ پڑھے لکھے نہیں رہے کیا؟''

''شٹ اپ۔'' میں غرایا تھا۔ یعنی حد ہو گئی تھی۔ جتنا میں شرافت کا مظاہرہ کر رہا تھا، وہ سر چڑھتی جا رہی تھی۔

''ٹھینکو۔'' وہ سر جھٹک کر بڑی بے نیازی سے بولی تو میں تھک ہار کر موڑھے پر گر سا گیا۔ بلال نے اپنی بے ساختہ ہنسی کو کتاب کے پیچھے چھپایا تھا۔

''اچھا بھئی مہرو! دنیا میں کل کتنے براعظم ہیں؟'' بلال بھی اب شرارت کے موڈ میں تھا۔ مہرو نے بھی سستی نہیں دکھائی فر فر بولی۔

''تین ہیں۔ ایک آپا صغریٰ کا میاں اعظم۔ دوسرا خالہ سکینہ کا بیٹا اعظم اور تیسرے میرے ابا جی تھے اعظم۔''

اس قدر معلومات پر تو ہم دونوں دنگ رہ گئے جبکہ وہ لاپروائی سے چارپائی پر مانو کو گود میں لیے بیٹھی بیر جھلا رہی تھی۔

''یہ تو بالکل تمہارا کیس ہے۔'' بلال نے ہنستے ہوئے کتاب میری طرف بڑھائی تھی، جو میں نے گہری سانس بھرتے ہوئے تھام لی۔ (کیونکہ نیا میرے لیے دوبارہ پکوڑے بنانے گئی ہوئی تھی)

میں نے کتاب کھول کر ایک نسبتاً آسان سا سوال کیا۔

''سورج کس طرف سے نکلتا ہے؟''

''آسمان پر سے۔'' اس نے تحقیقی بھرے لہجے میں کہا۔

''لیکن کس طرف سے؟'' میں نے بہت ضبط سے پوچھا تھا۔

''وہ، جس طرف چاچے طفیل کی زمینیں ہیں نا، اس طرف سے۔''

وہ اپنی بات پر زور دیتے ہوئے بولی تو میرا جی چاہا اسے لے جا کر اسی چاچے طفیل کی زمینوں میں دفن کر آؤں۔

''اور ڈوبتا کس طرف ہے؟'' یہ سوال بلال نے اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے پوچھا تو وہ قدرے سوچ کر بولی۔

''وہ، جو چوہدریوں کی کھوہ والی زمین ہے، اس طرف......ٹھیک ہے نا؟'' آخر میں اس نے بے تابی سے پوچھا۔

بلال ہنستے ہوئے اثبات میں سر ہلا رہا تھا اور میں لب بھینچے یونہی کتاب کے صفحات الٹ رہا تھا۔

''رات کو آسمان پر کیا ہوتا ہے؟'' میں نے دفعتاً سوال کیا۔

''چکور۔'' فوراً جواب آیا۔

''اور کیا ہوتا ہے...... چمک دار سا؟'' میں نے ضبط کا مظاہرہ کیا۔

''جگنو اڑ رہے ہوتے ہیں۔'' وہی بے نیازی۔

''میرا مطلب ہے رات کو کیا نکلتے ہیں؟'' میں نے دانت کچکچائے تو وہ انگلیوں پر گننے لگی۔

''گیدڑ، بگلا، بھگوڑ، جنگلی کتے اور......''

''اور جنازے...... یہ کہنا شاید تم بھول گئی ہو۔'' میں نے کتاب بند کر کے چارپائی پر پھینک دی تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''دیکھا...... میں بڑی لائق ہوں۔ ساری کتاب یاد ہے مجھے۔'' وہ اپنی طرف سے مجھے نیچا دکھا رہی تھی اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کہوں۔ بلال نے سائنس کی کتاب کھولی تھی۔ پھر میرے حوالے کر دی۔ میں نے ابھی کتاب پٹخنے کا ارادہ ہی کیا تھا کہ نیا، پکوڑوں سے بھری پلیٹ اور دہی پودینے کی چٹنی لئے نمودار ہوئی۔ میں فوراً کھنکار کر مہرو کی طرف متوجہ ہوا۔

''پروں والے جاندار وں کو کیا کہتے ہیں؟''

''جہاز۔'' وہ فوراً بولی۔ میں دانت پر دانت جما کر رہ گیا۔ کیونکہ نیا نے پکوڑوں والی پلیٹ میرے ہاتھ میں لا تھمائی تھی، جو میں نے گود میں رکھ لی۔ پکوڑوں کی خوشبو نے ذرا ذہن کو فریش کیا۔

''شیر کہاں رہتا ہے؟''

''اپنے گھر میں۔''

''کیا لکھا تا ہے؟''

''چاچے طفیل کی بکریاں......'' وہ ٹھٹھا مار کے ہنسی، پھر بولی۔ ''مذاق کر رہی ہوں۔''

''نمی! یہ نہیں پڑھ سکتی۔'' میں نے کتاب بند کر کے نیا کے حوالے کی اور پکوڑوں سے بہرہ آزما ہو گیا۔ میرا ہاتھ بٹانے کو بلال بھی آ گیا تھا۔

''کیونکہ مجھے پہلے سے ہی سب کچھ آتا ہے۔'' وہ تفاخر سے بولی اور اپنی مانو کے سر سے اپنا رخسار رگڑنے لگی۔

''احمر بھائی! پلیز......'' نیا کو اپنی شرط کی فکر تھی۔

''کبھی اس والے بھائی سے بھی کچھ کروا لیا کرو۔'' میں نے ڈھٹائی سے بلال کی طرف اشارہ کیا تو وہ بدک گیا۔

''بکواس نہیں کرو۔''

''یہ تو مجھے بہن سمجھتے ہی نہیں۔ میں انہیں اچھی ہی نہیں لگتی۔'' آنسو تو نیا کی پلکوں پر مہمان بنے رہتے تھے۔ ذرا کسی کی میزبانی میں فرق آیا، یہ مہمان ٹھکانہ چھوڑ اپنے مقام کی طرف رواں دواں ہو جاتے تھے۔ پکوڑا بلال کے حلق میں پھنسنے لگا۔

''تم بہت اچھی ہو، نیا!''

''اور اچھی لڑکیوں کو بہن بنانے والا پاگل ہوتا ہے۔'' میں نے اس کی حالت سے حظ اٹھاتے ہوئے کہا تو اس نے میرے بازو پر ہاتھ مارا۔

''بکواس مت کرو۔ نیا میری بہت اچھی کزن ہے، دوست ہے۔''

''لو جی...... آپ کن چکروں میں پڑے ہیں۔ بے چاری رونے والی ہو رہی ہے۔ بہن کہہ کے سر پر ہاتھ رکھ دیں۔''

مہرو کی انٹری تو ہوتی ہی زبردست تھی۔ بلال بل کھا کے رہ گیا۔ جبکہ میں اب صحیح معنوں میں لطف اٹھا رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے بلال کی جتنی میرا خون جلا رہی تھی، بڑی جلدی حساب چکتا ہو رہا تھا۔

''ہاں، بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے مہرو۔ رکھ دے ہاتھ سر پہ۔ آخر کومنٹ اور کرسیاں لگانے کا کام تیرے ہی ذمے ہوتا ہے۔''

''امر......ذلیل......کمینے......'' لمحہ بھر ششدر رہنے کے بعد وہ مغلظات بکتا میرے پیچھے لپکا مگر میں اس سے پہلے ہی بھاگ اٹھا تھا۔ نیا نے رونا بھول کر اب مہرو کے ساتھ ہنسنا شروع کر دیا تھا۔



اور پھر بہت جلد پتہ چل گیا کہ میں نے مہرو کے سلسلے میں حامی بھر کے واقعی ایک مصیبت ہی مول لی تھی۔ وہ بھی اپنی بے وقوفی کے عوض۔ اس کی پڑھائی وہیں کی وہیں تھی۔ میں اسے تو کیا پڑھاتا، وہ دن بہ دن میری معلومات میں اضافہ کرتی چلی جا رہی تھی۔ بھلا مجھے کہاں معلوم تھا کہ سورج چاچے طفیل کی زمینوں میں سے نکلتا ہے اور چوہدریوں کی کھوہ والی زمین میں غروب ہوتا ہے؟ میں اس قدر ریزہ ریزہ ہو گیا تھا کہ حد نہیں۔ اور پھر یہ واقعہ بھی ہو گیا کہ میں جس کی بدولت اس جاہل اور گنوار لڑکی سے پیچھا چھڑا سکتا تھا۔

جس ایریے میں ماموں جان رہائش پذیر تھے، اس سے کچھ فاصلے پر ریلوے لائن تھی، جس کی وجہ سے اچھی خاصی شہری سہولتیں اور ماحول ہونے کے باوجود سوئی گیس کی پائپ لائن نہیں پہنچی تھی اور ابھی لوگ سلنڈر اور لکڑیاں استعمال کرنے پر مجبور تھے۔ بلکہ اب تو عادی ہو چکے تھے۔ نیا نے لکڑیاں جلانے کی ذمہ داری مجھ پر ڈال دی۔ کیونکہ میری ہی سستی تھی کہ نیا سلنڈر لانا مجھے یاد نہیں رہا تھا۔

اور اب آگ تھی کہ جل ہی نہیں رہی تھی۔ آدھی کیبن میں نے لکڑیوں پر تیل کی انڈیل دی۔ دھواں تھا کہ آنکھوں میں مرچیں بھر رہا تھا۔ اور پھر میری آنکھوں ہی نہیں، بلکہ ناک سے بھی نہریں برآمد ہو گئیں۔ مگر آگ کو نہیں جلنا تھا نہیں جلی۔ نیا تو میری قطعاً مدد نہیں کر رہی تھی۔ اوپر سے کمینہ بلال بھی اس کے ساتھ مل بیٹھا دوپہر والا بدلہ لے رہا تھا۔

''میں مدد کروں جی؟'' اس وقت مہرو مجھے فرشتہ صفت محسوس ہوئی تھی۔ وہ برآمدے میں بیٹھی پہلے کافی دیر مجھے یہ تماشا کرتے دیکھتی رہی تھی۔

''مدد نہیں کرو، بلکہ تم ہی آگ جلا دو۔''

میں نے ہاتھوں کی پشت سے آنکھیں رگڑتے ہوئے التجا کی تو اس ''شاگردِ رشیدہ'' نے جلدی سے اپنی کتاب میرے سامنے کی۔

''یہ پھاڑ کے جلا لوں؟''

میری آنکھیں اتنی شدت سے جل رہی تھیں کہ ذرا سی کھولنے پر فوراً پانی سے بھر جاتی تھیں۔ میں نے تیزی سے کہا۔

''ہاں، ہاں یار......... جلا لو۔''

اس نے مستعدی کے ساتھ صفحے پھاڑ کر انہیں آگ لگائی اور پھر بڑی مہارت کے ساتھ لکڑیوں کو آگ لگانے لگی۔ دو تین صفحے پھاڑ کر میں نے بھی آگ میں ڈالے۔ آگ فوراً لکڑیوں کو پکڑ گئی۔

''ویری گڈ......... تم تو بہت لائق ہو۔''

میں نے کتاب کا خالی گتہ جلاتے ہوئے ہوا سے پسینہ خشک کرنے کی کوشش کی۔ وہ دانتوں میں انگلی دبا کر حسب عادت جھولتے ہوئے شاید شرما رہی تھی کہ پنکھا جلاتے جلاتے میں ٹھٹھک گیا۔ کتاب کا کور سامنے کر کے میں نے بغور دیکھا۔ دوبار......... سہ بار......... اور تینوں بار میرے دماغ نے یہی کہا کہ یہ ''رچرڈ زہیڈ لے چیز'' کا وہی ناول تھا، جو میں پتہ نہیں کتنی مصیبتوں سے ڈھونڈ ڈھانڈ کے خرید کر لایا تھا اور جسے میں بلا جھجک نایاب کہہ سکتا تھا۔ اس کے بعد میں جو بھی کرتا کم تھا۔ مہرو کی تو میں نے وہ کلاس لی کہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو شاید دھاڑیں مار کر رونے لگتی۔ مگر وہ تو شاید ڈھیٹ مٹی کی بنی تھی۔ دبے ہی میں نہیں آ رہی تھی۔

''میں نے آپ سے پوچھا تھا، آپ ہی نے کہا تھا کہ جلا لو۔''

''بکواس بند کرو۔'' میں دھاڑتا ہوا اندر کی طرف بڑھا۔ کینہ توز نظروں سے نیا کو دیکھا، جو سراسیمہ ہو رہی تھی۔

''سنبھال کے رکھو اپنی بہلی کو۔ شکر کرو کہ گلا نہیں دبا دیا میں نے اس کا۔''

ممانی جان بے چاری بیچ بچاؤ ہی کرتی رہ گئیں مگر میرا موڈ بہت خراب ہو رہا تھا۔ میں وہیں سے پلٹ کر باہر نکل گیا۔ بلال بھی میرے پیچھے آتا مگر نیا کے رونے کی وجہ سے وہ وہیں بے بسی سے کھڑا مجھے دیکھتا رہ گیا۔

پتہ نہیں، کتنی دیر تک میں یونہی گھومتا پھرتا رہا۔ تھک کر میں نے گھڑی دیکھی تو رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ جب میں گھر سے نکلا تھا تو ساڑھے چار کا ٹائم تھا۔ اب غصہ کم اور بھوک زیادہ ہو گئی تھی۔ میرا

والٹ بھی گھر ہی رہ گیا تھا ورنہ میں باہر ہی کھانا کھا لیتا۔
گہری سانس لے کر میں نے واپسی کی طرف قدم بڑھائے تھے۔اب میں نے بھی سوچ لیا تھا کہ نیا کو مجھے رکھنا تھا یا پھر اپنی ''کی'' سہیلیوں کو۔اور خصوصاً مہرو کو تو میں اپنے ارد گرد دیکھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔
دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ کھلتا چلا گیا۔میں اطمینان سے اندر آیا اور آہستگی سے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی۔باورچی خانے کی روشنی بتا رہی تھی کہ ابھی وہاں کوئی موجود ہے۔میں باورچی خانے میں جانے کا قصد کر رہا تھا کہ میرے قدم ٹھٹک گئے۔
''ہی از اے فول۔اپنے غصے پر قابو پا لے تو کبھی اتنا بے وقوف نہ بنے۔''اس آواز و انداز پر میں ششدر ہوا تھا۔
''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''بلال نے بولنا چاہا۔
''مگر میں نے ثابت کر دیا ہے۔دراصل ابھی تک تمہارے کزن سے کوئی اس جیسا ٹکرایا نہیں تھا۔دیکھا اب کیسے میدان چھوڑ کر بھاگا ہے۔اب بھی تنگ تو کر کے دیکھے نیا کو۔''یہ یقیناً بلکہ سو فیصد مہرو کی آواز تھی۔مگر اتنی شائستہ اور مہذب؟
''میں نے تم سے یہ تو نہیں کہا تھا کہ ان کو اتنا تنگ کرو۔پتہ نہیں امر بھائی کہاں ہوں گے۔تم نے تو صرف یہ کہا تھا کہ اب وہ کبھی مجھے تنگ نہیں کریں گے۔''نیا کی آواز بھیگی ہوئی تھی۔وہ یقیناً پہلے بھی روتی رہی تھی۔
مگر میں تو اپنے بے وقوف بنائے جانے پر ششدر کھڑا تھا۔
تو مہرو، وہ نہیں ہے جو وہ پوز کرتی رہی ہے۔
اور میں......میں ہر وقت اپنی ذہانت کا پرچار کرنے والا......میں کیوں نہیں پہچان پایا اسے؟ کتنی آسانی سے وہ مجھے بے وقوف بنا گئی تھی۔اور بلال......اس نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ کیا اب بتائے گا؟
اُف......خجالت سے یک لخت میرا چہرہ تپنے لگا۔
تو یہ لوگ انجوائے کرتے رہے ہیں میری حالت کو۔اور میں کتنے دنوں بے وقوف بنتا رہا۔

''ڈونٹ وری نمی! جاثا کہاں جاتا ہے؟ ابھی آ جائے گا، جب بھوک لگے گی۔'' مہرو اسے تسلی دے رہی تھی۔
میں تپتا دماغ لئے واپس دروازے کی طرف بڑھا۔
''تو نمی بیگم! تم نے میرے تنگ کرنے کا بدلہ یوں لیا ہے۔ اور یہ تمہاری سب سے ''پکی'' سہیلی۔ مان لیا کہ اس نے میدان مار لیا ہے۔ مگر تم لوگ بھی یہ جان نہیں پاؤ گے کہ احمر نواز کبھی ہار کر بھی نہیں ہارا ہے۔'
میری سوچوں کو ایک نیا راستہ ملتا جا رہا تھا۔ حتیٰ کہ میں نے کنڈی کھولی تو میرے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ کھیلنے لگی تھی۔
میں یوں پُرشور آواز میں دوبارہ دروازہ بند کر کے اندر آیا، جیسے ابھی میری آمد ہوئی ہو۔ میں باورچی خانے میں پہنچا تو نیا بے قراری سے اٹھی۔
''آئی ایم سوری، احمر بھائی!''
''فار واٹ؟'' میں نے حیران ہونے کی ایکٹنگ کی۔ پھر پیڑھی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ ''چلو اب جلدی سے کھانا دو۔ مجھے سخت بھوک لگ رہی ہے۔''
میں اُن کو قصداً نظر انداز کر رہا تھا۔ نیا جلدی سے کھانا نکالنے لگی۔
میں شاید بہت اچانک آیا تھا، اس لئے وہ بالکل خاموش تھے۔ بلال نے پہل کی تھی۔
''غصہ اترا ہے یا نہیں؟''
''اتر گیا ہے۔'' میں ہنس دیا تو وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔ نیا نے دسترخوان میں لپٹی روٹیاں اور سالن میرے سامنے رکھا اور ہچکچاتے ہوئے بولی۔
''احمر بھائی! سوری......ہم تو بس مذاق کر رہے تھے۔ آپ بھی تو مجھے تنگ کرتے ہیں۔ مہرو کو میں نے بتایا تو اس نے کہا کہ......''
''اٹس اوکے یار!......میں بالکل بھی ناراض نہیں ہوں۔ پانی دینا ذرا۔'' میں نے دلجمعی سے کھانا کھاتے ہوئے لاپروائی سے کہا تو وہ بھی تحیر سے پلٹ گئی۔ مہرو بالکل خاموشی سے بیٹھی تھی۔
نیا نے پانی کا گلاس میرے پاس رکھا۔

''آپ مہرو سے ناراض ہیں کیا؟''

''ارے......'' میں نے ہنس کر مہرو کو دیکھا، جو حسب عادت اپنی ماتو سے کھیل رہی تھی۔ میں اُس کی اداکاری کی داد دینے پر مجبور ہو گیا۔ اس ایک ڈیڑھ ہفتے میں اُس نے ذرا بھی احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ وہ جو نظر آ رہی ہے وہ ہے نہیں۔

''میں اس سے کیوں ناراض ہوں گا؟ مجھے پتہ ہے اتنی سادہ ہی تو ہے یہ۔ اسے کیا پتہ، اس ماول کی امپورٹینس کا؟ اور پھر غلطی تو کسی سے بھی ہو سکتی ہے۔''

میرے اس قدر نرم لہجے پر بلال کو تو غش ہی آ گیا تھا۔ بھلا کیا وہ مجھے نہیں جانتا تھا؟ جو میرے لئے ایک بار ناپسندیدہ ہو جاتا تھا، دوبارہ میں اُس کی شکل بھی نہیں دیکھتا تھا۔ مگر میں نے بھی طے کر لیا تھا کہ بلال کو اپنی سوچوں کی ہوا بھی نہیں لگنے دوں گا۔

''بلال بھائی!...... مجھے تو گھر چھوڑ آئیں۔''

مہرو حالات کا بدلتا رخ دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ ماموں جان کے گھر کے پچھواڑے گھر میں رہتی تھی۔ خالہ زرینہ اُس کی پھوپھی ہوتی تھیں اور شکر ہے کہ یہ اطلاعات ٹھیک تھیں۔ کبھی کبھار خالہ زرینہ سے گھر میں ملاقات ہوتی تو وہ بہت محبت سے ملتی تھیں۔ صحیح معنوں میں وہ بہت سادہ اور نفیس خاتون تھیں۔ کئی بار میں نے سوچا تھا کہ مہرو پر اُن کا سایہ کیوں نہیں پڑا۔ حقیقت تو اب پتہ چلی تھی۔

''ابھی بیٹھو مہرو! ساتھ ہی تو گھر ہے۔ اتنی بھی کیا جلدی ہے؟''

میری آفر پر اس نے سر سے بھری آنکھوں میں ستعجاب بھر کے مجھے دیکھا تھا۔ اس سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ میں نے یوں اُس کو تک کر دیکھا ہو۔ وہ گھبرا کر نظریں پھیر گئی تھی۔

''چلو، میں دروازہ کھول کے کھڑی ہوتی ہوں۔ بلال بھائی تمہیں آگے کر آتے ہیں۔'' نیما نے فوراً حل پیش کیا تھا۔

''کل یاد سے پڑھنے کے لئے آنا مہرو!'' میں نے پانی کا گلاس اٹھاتے ہوئے اُسے یاد دہانی کرائی تو وہ کوئی جواب دیئے بغیر تیزی سے باہر نکل گئی۔

نیما مجھے قدرے گھورتے ہوئے نکلی تھی۔ جبکہ بلال آخر میں اپنے منہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے گیا تھا۔

رات ہم سونے کے لیے لیٹے تو میں نے لیٹتے ہی چادر تاننے کی کوشش کی مگر بلال بھی سونے کے موڈ میں نہیں تھا اور مجھے پتہ تھا کہ کیا بات اسے سونے نہیں دے رہی۔

''پوچھ سکتا ہوں کہ کس پیر کے پاس جن جھاڑ کے آئے ہو؟''

''اتنا برا ہوں کیا؟'' میں نے جواباً سوال کیا تو وہ بنا توقف بولا۔

''بالکل...... بلکہ اس سے بھی زیادہ، جتنا تم سمجھتے ہو۔''

''بس یونہی یار!...... میں نے سوچا کہ مہرو اتنی بری نہیں ہے، جتنا کہ میں سمجھتا ہوں۔'' میں نے قدرے سوچ کر کہا تو وہ مارے حیرت کے اٹھ بیٹھا۔ میں نے اپنی ہنسی دبالی۔

''یا تو تُو نے پی لی ہے یا پھر اونگھ کے آیا ہے۔'' وہ گھبرا کر بولا تو میں ہنس دیا۔ پھر میں نے اس کی طرف کروٹ لی۔

''بلال...... تم نے اس کی آنکھیں دیکھی ہیں؟''

''کس کی؟'' وہ تحیر میں گھرا تھا۔

''مہرو کی......'' میں نے کہتے ہوئے سرشاری سے آنکھیں موندیں تو اس نے میرا بازو پکڑ کر جھنجوڑ ڈالا۔

''وہ آنکھیں، جن میں بقول تمہارے وہ ڈوئی سے بھر بھر کے سرمہ ڈالتی ہے؟''

''پتہ نہیں۔ مگر یہ بالکل سچ ہے، بلال! میں اسے اس نظر سے نہیں دیکھتا، جس سے تم دیکھتے ہو۔'' میں نے حتی الامکان سنجیدگی طاری کرتے ہوئے کہا۔ بلال بے چارہ تو بس مرنے کے قریب تھا۔

''وہ دہکتے کوئلوں کی انگیٹھی، شعلہ جوالا، مس گلابو، جاہل اور جنگلی لڑکی ایک دم سے تمہیں پری ہوئی کیسے دکھائی دینے لگی؟''

''پتہ نہیں، بلال!...... میں ابھی خود بھی سمجھ نہیں پایا۔'' میں الجھے ہوئے انداز میں کہتا اٹھ بیٹھا۔ کنکھیوں سے میں نے بلال کا ہونق چہرہ دیکھا تو مجھے ہنسی آنے لگی۔ مگر میں جانتا تھا کہ میرے تمام تر لائحہ عمل کا انحصار میری کامیاب ایکٹنگ پر ہے۔ کیونکہ مہرو کی اصلیت سے یہ کمینہ بھی واقف تھا۔ مگر اس نے مجھے بتایا نہیں تھا اور چلو پہلے نہیں بھی پتہ تھا تو اب تو بتا سکتا تھا نا۔

''مجھے تو لگتا ہے کہ تم پاگل ہو گئے ہو۔'' بلال نے مجھے گھورا تھا۔ میں نے گہری سانس لی اور لیٹ گیا۔

''ابھی تو مجھے خود نہیں پتہ کہ یہ سب کیا ہے؟''

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ سمجھے؟'' وہ مجھے چڑانے والے انداز میں کہتا نیم دراز ہو گیا۔ مگر میں نے اُسے جواب نہیں دیا۔ میں آسمان کی سیاہ چادر میں سجے ستاروں پر نظریں جمائے اگلی پلاننگ میں مصروف تھا۔



ممانی جان کسی کی عیادت کے لئے گئی ہوئی تھیں۔ مہر و آئی تو تھی مگر پڑھنے کے لئے نہیں، بلکہ نیا سے باتیں کرنے کے لئے۔ ہم دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو چکے تھے اس لئے بلال پر سستی طاری ہونے لگی۔ وہ سونے کے لئے کمرے میں چلا گیا۔ میں اکیلا برآمدے میں چارپائی پر آرا ترچھا، نیم دراز تھا۔ تبھی وہ باورچی خانے سے باہر نکلی۔ اُس کا ارادہ یقیناً واپسی کا تھا مگر میں نے اُسے آواز دے لی۔ اُس کے انداز سے مجھے لگا کہ وہ مجبوراً میری طرف آئی تھی۔

''پڑھنا نہیں ہے تمہیں؟'' میں نے ایک گہری نظر اُس کے چہرے پر ڈال کر عام سے انداز میں پوچھا۔ درحقیقت میں اس کے اصل نقوش کا اندازہ لگانا چاہ رہا تھا۔ ابھی بھی وہ سابقہ حلیے میں ہی تھی۔

''بس جی........ مجھے نہیں پڑھنا۔ آپ کو غصہ بڑا آتا ہے۔'' وہ بھولے پن سے بولی تو میں مسکرا دیا۔

''ارے نہیں۔ وہ تو بس یونہی۔ آئی ایم سوری۔ مجھے تم سے اتنے برے طریقے سے بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔''

لحظہ بھر کو وہ مجھے دیکھنے لگی۔

''آپ کیا کہہ رہے ہیں جی؟''

''تم بہت اچھی ہو مہرو۔'' میں نے اس کے چہرے کو اپنی نظروں کی گرفت میں لے کر کہا تو وہ ٹپٹا گئی۔

''جی.........وہ.........''

میری مسکراہٹ اور گہری ہوئی تو وہ تیزی سے پلٹ گئی۔

اور پھر میں نے پوری طرح سے اُس کا پیچھا لے لیا۔ میں چاہتا تھا کہ جلد از جلد اسے اُس کے اصل روپ میں دیکھوں اور اس کے لئے مجھے بہت محنت کرنا پڑ رہی تھی۔ وہ مستقل مجھے بے وقوف بنانے کے موڈ میں تھی۔ میں اندر ہی اندر بے حد تلملا کر رہ جاتا۔ مگر وہ لائن پر نہیں آ رہی تھی۔

''مہرو.........تم بالکل سادہ رہا کرو۔ یہ میک اپ تم پر سوٹ نہیں کرتا۔'' میں نے لہجے میں نرمی سمو کر کہا تو وہ تحیر میں گھری مجھے دیکھنے لگی۔

''تمہارے ہاتھ بہت خوب صورت ہیں۔ مجھے پتہ ہے کہ تمہارے چہرے کی جلد بھی بہت خوب صورت ہوگی۔''

میری بے خودی ختم نہیں ہوئی تو وہ گھبرا کر غسل خانے کی طرف بھاگی، جہاں نیا کپڑے دھو رہی تھی۔ جبکہ میں خود کو شاباش دینے لگا۔

دو دن کے بعد وہ آئی تو اس کی آنکھوں میں سرمہ نہیں تھا، البتہ کپڑے ویسے ہی زرق برق تھے جن سے مجھے چڑ تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میری باتیں اُس پر اثر کر رہی تھیں۔ میں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا مناسب سمجھا۔ نیا کے ادھر اُدھر ہوتے ہی میں نے موڑھا گھسیٹا اور اس کے پاس بیٹھ گیا۔ وہ گھبرا کر مجھے دیکھنے لگی۔

''اتنی خوب صورت آنکھیں ہیں تمہاری اور اتنی سیاہ پلکیں ہیں۔ تمہیں تو واقعی سرمہ ڈالنے کی ضرورت نہیں تھی۔'' میں نے بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو اتنے دن تک مجھے بے وقوف بنانے والی، نروس ہونے لگی۔

''تم بہت اچھی ہو مہرو یقین کرو۔'' میں نے بھاری لہجے میں کہا تو وہ پریشان سی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ میں بھی کھڑا ہو گیا۔

''مہرو پلیز.........تم نہیں جانتیں، مجھے تمہاری سادگی تمہاری معصومیت نے قیدی بنا لیا ہے۔ میں ہار گیا ہوں مہرو تمہارے آگے۔''

وہ اپنے حیرت سے کھلے منہ پر ہاتھ رکھے، چند لمحوں تک پھٹی پھٹی نظروں سے مجھے دیکھتی رہی۔ پھر سرپٹ بھاگ کر صحن پار کرتی دروازے سے نکل گئی۔ ایک بے اختیارانہ قہقہہ میرے لبوں سے آزاد ہوا تھا۔

میں پلٹا تو نیا، باورچی خانے کے دروازے پر کھڑی مجھے گھور رہی تھی۔

''پاگل تو نہیں ہو گئے آپ، احمر بھائی؟ یوں اکیلے ہی ہنس رہے ہیں۔''

میں آگے بڑھا اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے برآمدے میں لا کر چارپائی پر بٹھا کر خود موڑھے پر بیٹھ گیا۔

''نمی! میری سب سے اچھی بہن ہے نا؟'' میں نے بڑے لاڈ سے پوچھا تو اُس کی آنکھوں میں ہمیشہ کی طرح خوب صورت سی چمک اتر آئی۔ اُس نے فوراً اثبات میں سر ہلایا تھا۔ میں اپنی ہنسی دبا کر جیسے بہت جھجکتے ہوئے بولا۔

''نمی! وہ جو........ مہرو ہے نا........ وہ مجھے اچھی لگنے لگی ہے۔''

''کیا........؟'' وہ مارے حیرت کے اچھل پڑی۔ جبکہ میں اپنی ہی بات پر دل ہی دل میں ''خدا نہ کرے'' کا ورد کر رہا تھا۔

''کیا یہ اچھی بات نہیں ہے؟'' میں نے معصومیت سے پوچھا تو وہ بوکھلا گئی۔

''نن........ نہیں........ میرا مطلب ہے کہ ہاں۔ لیکن........ وہ احمق، گنوار آپ کو کیسے پسند آ سکتی ہے؟ آپ کہاں اور وہ کہاں ان پڑھ۔''

''پتہ نہیں، نمی!'' میں جیسے بہت بے بسی سے بولا۔ پھر اپنی ایکٹنگ کو مزید موثر کرنے کے لئے میں نے سر ہاتھوں پر گرا کر بالوں کو دونوں مٹھیوں میں جکڑا۔

''پتہ ہے نمی! میں جب اُس کو دیکھتا ہوں تو میک اپ کی بدصورت تہوں کے پیچھے مجھے اُس کی بہت خوب صورت تصویر دکھائی دیتی ہے۔ اس کی تمام تر بے وقوفی اور گنوار پن کے پیچھے مجھے بہت حُسن نظر آتا ہے نمی! اور پھر محبت کا کیا ہے نمی!........ یہ تو رنگ و نسل اور ذات پات نہیں دیکھتی۔ اور مجھے یقین ہے کہ میں اسے بدل ڈالوں گا۔ اسے اپنے رنگ میں رنگ لوں گا۔''

''میں پاگل ہو جاؤں گی، احمر بھائی!'' نیا کا عجیب حال تھا۔ وہ سنجیدہ بھی رہنا چاہ رہی تھی اور اسے ہنسی بھی آ رہی تھی۔ ''کتنی عجیب سی بات ہے۔ وہ آپ کو ایسے فضول سے حلیے میں کیسے پسند آ سکتی ہے؟'' اس نے گویا میرا مذاق اُڑانا چاہا۔

''محبت میں محبوب کو دیکھنے کے لئے دل کی آنکھ استعمال ہوتی ہے۔'' میں نے ایک اور ڈائیلاگ جھاڑا تو وہ مجھے گھورنے لگی۔

''آپ صحیح کہہ رہے ہیں نا؟''

''اس بات سے میری سچائی کا اندازہ کرلو کہ میں نے ابھی کچھ دیر پہلے مہرو سے بھی یہ سب کچھ کہہ دیا ہے۔'' میں نے اپنی بات مہرو پر لگائی تو وہ اچھل پڑی۔ پھر بڑے جوش سے بولی۔

''اور اگر آپ بالکل سچ کہہ رہے ہیں تو آپ کو اس کا بہت خوب صورت انعام ملے گا۔''

''مہرو......؟'' میں نے بے تابی سے پوچھا تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''جی...... مگر وہ نہیں، جسے آپ نے چاہا ہے۔''

میں نہ سمجھنے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے اسے دیکھ کر رہ گیا۔

رات کو بلال کے سامنے بھی میں نے اعتراف محبت کیا تو وہ پریشان ہو گیا۔ مگر میں اس کی حیرت و پریشانی دور کیے بغیر سونے کے لئے لیٹ گیا۔



آدھا دن ماموں جان کے اسٹور پر گزار کر میں اور بلال موسم کی خوب صورتی دیکھتے ہوئے گھر کی طرف بھاگے تھے۔ سیاہ بدلیاں سارے آسمان کو ڈھانپے ہوئے تھیں۔ ایسے میں ٹھنڈی ہوائیں جیسے جنت کی فضاؤں کو چھوڑ کر آرہی تھیں۔ موسم کی خوب صورتی نے ہم پر کچھ ایسا اثر کیا کہ ہم دونوں پیدل ہی گھر تک آئے تھے۔ نتیجتاً سرتاپا پانی میں شرابور تھے۔

گھر میں داخل ہوتے ہی خوشبوؤں سے پتہ چل گیا کہ موسم کے پکوان بن رہے ہیں۔ بارش پورے زور و شور سے ہو رہی تھی۔

''بالکل باگڑ بلے لگ رہے ہیں، آپ دونوں۔'' برآمدے میں سے نیا چلائی تو میں دونوں بازو پھیلا کر صحن میں گھوم گیا اور اسے جلانے کی خاطر زور سے بولا۔

''یہ رحمت صرف خدا کے بندوں ہی کو نصیب ہوتی ہے۔''

''باگڑ بلے بننے والی؟'' وہ بھی برجستگی سے بولی تو میں اسے گھورنے کی خاطر برآمدے میں چلا آیا۔ کیونکہ پانی کی چادر کے پار سے یہ کام ناممکن تھا۔ لحظہ بھر کو میں بے حد ٹھٹک کر رہ گیا۔
وہ مہرو ہی تھی۔
سنہری رنگت، گہری سیاہ پلکیں، خوب صورت آنکھیں اور بے داغ جلد۔ گود میں مانو کو لئے وہ ایک بالکل ماورائی شخصیت لگ رہی تھی۔
میں فوراً سنبھلا۔
''ان کی تعریف؟'' میں نے جان بوجھ کر پوچھا تو نیاز ور سے ہنس دی۔
''یہ مہرو ہے۔ میری سب سے پکی سہیلی۔''
''یہ...... مہرو ہے......'' میں گویا ششدر رہ گیا۔ میری تیز نظروں سے مہرو کے چہرے کا گلابی پن چھپا نہیں رہ سکا تھا۔
''نمی! میں شرم سے پانی پانی ہو رہا ہوں۔'' میں نے کمزور لہجے میں کہا تو پیچھے سے بلال نے میرے شانے پر ہاتھ مارا۔
''بن گئے نا الو؟'' وہ ہنس رہا تھا۔ ''میرا بھی یہی حال ہوا تھا۔''
''میں تم سب سے بے حد خفا ہوں۔''
میں براہ راست مہرو کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے ناراضگی سے بولا اور بیٹھک میں آ کر اپنے لئے کپڑے نکالنے لگا۔ دل ہی دل میں، میں حیران بھی تھا کہ اتنی نکھری ہوئی دلکش لڑکی مہرو کیسے ہو سکتی ہے۔
بے پناہ چمک لئے سیاہ بال ابھی تک میری نظروں میں گھوم رہے تھے اور وہ والی مہرو...... اف! خیر، اب دیکھنا ہے کہ خود کو جینئس سمجھنے والی، میری چال کو کہاں اٹھتی ہے۔ دروازہ بند کرنے کے ارادے سے
پلٹا تو وہ دروازے میں کھڑی تھی۔ انداز سے جھجک نمایاں تھی۔
''میں اندر آ جاؤں؟''

''یہ میرا گھر نہیں ہے۔ تم آ سکتی ہو۔'' میں نے رکھائی سے کہا تھا۔ وہ تین چار قدم بڑھا کر اندر آ گئی۔
''آئی ایم سوری۔''
''کیوں؟''
''میں نے آپ کو تنگ کیا۔ حالانکہ مجھے اس کا کوئی حق نہیں تھا۔'' وہ سر جھکا کر بولی۔
''وہ سب میرے لئے کچھ اہمیت نہیں رکھتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ سب ایک مذاق تھا۔ مگر مہرو اب کیا ہو گا؟'' میں بے حد سنجیدگی سے بولا تو وہ الجھ کر مجھے دیکھنے لگی۔ ''میرے دل کا مہرو......!'' میرا لہجہ ٹھہر سا گیا۔ میں دو قدم آگے بڑھا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا ''اسی مذاق میں تم مجھے یہاں تک لے آئی ہو مہرو اب بتاؤ، میں کیا کروں؟ واپس پلٹنے کا تو کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔''
''احمر!'' وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹی تھی۔ اس کی آنکھوں سے جھلکتا خوف اور بے چینی میں نے واضح طور پر محسوس کی تھی۔ میرے اس کھلے اعتراف نے اسے ششدر کر ڈالا تھا۔ اس کے تو خیالوں میں بھی اس خیال کا گزر نہیں ہوا ہو گا کہ میں ایسی وضع قطع کی لڑکی پر مر مٹوں گا۔ اس کی حالت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میں مزید جذباتی ہونے لگا۔
''مہرو، پلیز! ......اسے مذاق مت سمجھو۔ یہ میری زندگی کا سوال ہے۔ کسی کتاب کا نہیں کہ تم ہنسی میں اڑا دو۔ ایک بار......صرف ایک بار میری محبت سے متعلق ضرور سوچنا۔ جس نے اس نکھری ستوری مہرو کے بجائے اس جاہل اور گنوار مہرو کو اپنے لئے چنا تھا۔'' میں جس قدر رنجیدہ ہو سکتا تھا، ہوا۔
وہ زرد پڑتی رنگت کے ساتھ بھاگنے کے سے انداز میں پلٹی تھی۔ میرے ہونٹوں پر محظوظ کن سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ یہ کھیل اب مجھے بہت لطف دینے لگا تھا۔
میں دروازہ بند کر کے کپڑے تبدیل کرنے لگا۔ مجھ پر بہت سرشاری کیفیت تھی۔
'ہونہہ......کون پیدا ہوا ہے، احمر نواز کو بے وقوف بنانے والا؟' میں نے بے حد تنفر سے سوچا۔
اگلے چار پانچ دنوں میں مجھے مہرو کی شکل بھی دکھائی نہیں دی۔ بلال بھی گھر گیا ہوا تھا، اس لئے بہت بوریت ہو رہی تھی۔ یہ چھٹیوں کا آخری مہینہ تھا، اس لئے نیما کو صرف پڑھائی ہی سوجھ رہی تھی۔

میں تھوڑی دیر ماموں جان کے ساتھ اسٹور پر بیٹھا۔ وہاں بھی دل نہیں لگا تو گھر آ گیا۔ ممانی جان کے ساتھ کافی دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں کیں۔ جب وہ بھی اونگھنے لگیں تو میں اُن کے کمرے سے اُٹھ آیا۔ برآمدے میں پنکھے کے نیچے چارپائی بچھائے نیا نوٹس بکھیرے بیٹھی تھی۔ انگلش کے یہ نوٹس میری ہی کوششوں سے معرضِ وجود میں آئے تھے۔ میں بہت اکتایا ہوا اس کے سر پر جا کھڑا ہوا مگر وہ میری طرف متوجہ نہیں ہوئی۔

''نمی! لائف کتنی بور ہو گئی ہے؟''

میری اس دہائی پر اس نے حیرت سے مجھے دیکھا تھا۔

''خدا خیر ہی کرے۔ بات کیا ہے؟''

میں موڑھا گھسیٹ کر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔

''بات یہ ہے کہ مہرو کو دیکھے پتہ نہیں کتنے سال بیت گئے ہیں۔''

میرے آہ بھر کے کہنے پر وہ زور سے ہنس دی۔

''سال......اللہ معاف کرے۔ ابھی چار پانچ دن ہی تو ہوئے ہیں۔''

''تمہیں کیا پتہ۔ دل والوں کے لئے چار دن چار صدیوں کے برابر ہوتے ہیں۔'' میں نے ٹھنڈی آہ بھری۔ وہ مجھے گھورتے ہوئے بولی۔

''مجھے کیوں نہیں پتہ؟ کیا میں دل والی نہیں ہوں؟''

اس کے سوال پر مجھے ہنسی اور بلال کی یاد اکٹھی آ گئی۔

''دل والی تو ہو مگر ویسی نہیں، جیسا میں ہوں۔ یعنی میرے پاس مہرو کا دل بھی تو ہے۔'' میں نے وضاحت کی تو وہ مذاق اڑانے والے انداز میں بولی۔

''ہاں......وہ اتنی جلدی دل دینے والیوں میں سے نہیں ہے۔''

''مگر مجھے اس کا دل چاہیے نمی! ہر صورت میں۔'' میں نے فوراً ہی سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ لیا تو نیا بھی گڑبڑا سی گئی۔

''یہ تو آپ کی قسمت ہے احمر بھائی! اسے کوئی مجبور تو نہیں کر سکتا نا۔''

''کیا وہ کسی اور میں انٹرسٹڈ ہے؟'' میں نے پوچھا تو نیا نے فوراً نفی میں سر ہلا دیا۔

''یہ تو میں نے نہیں کہا۔ مگر مہرو کو منانا بہت مشکل ہے۔''

''وہ میرا کام ہے۔ مگر وہ آئے تو سہی۔'' میں نے بیزاری سے کہا تو وہ کچھ سوچتے ہوئے چمکتی آنکھوں سے مسکرادی، پھر چٹکی بجا کر بولی۔

''یہ تو بہت ہی آسان کام ہے۔ امی نے کھیر بنا کر رکھی ہے۔ آپ جا کر ایک پلیٹ خالہ زرینہ کے ہاں دے آئیں۔''

میں نے اسے گھورا۔

''یعنی میں......کھیر بانٹوں جا کر؟''

''چ......لوگوں نے نہریں نکال دیں اور آپ......؟'' وہ مجھے تاؤ دلانے والے انداز میں بولی تو میں نے چند لمحوں تک اس آئیڈیے پر غور کرنے کے بعد گہری سانس لے کر کہا۔

''اچھا۔ سپوز کہ میں کھیر دینے جاتا ہوں، پھر؟''

''پھر یہ کہ دروازہ ہمیشہ مہرو کھولتی ہے۔''

وہ اطمینان سے بولی تو میں نے قائل ہونے والے انداز میں شانے اچکا دیے۔ مجھے یقین تھا کہ میں بہت جلد مہرین علی عباس کے دل میں نقب لگا لوں گا۔

مجھے نفیس سے کور سے ڈھکی کھیر کی پلیٹ لیے دو گلیاں پار جانا بہت مشکل لگا کہ اس عمل میں ایک خالص زنانہ ٹچ تھا۔ دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد میں انتظار کرنے لگا کہ جانے اب کون باہر آتا ہے۔ اگر خالہ

زرینہ بھی آجاتیں تو کوئی فکر کی بات نہیں تھی۔ کیونکہ وہ ماموں کے ہاں آتی رہتی تھیں اور مجھے خاصا اچھا بچہ سمجھتی تھی۔ لیکن اگر مہرو آجاتی تو پھر کمال ہی ہو جاتا۔

جھٹکے کی آواز پر میں سنبھلا۔ دروازہ کھلا۔ اگلے لمحے میں وہ سامنے تھی۔ مجھے دروازے پر ایستادہ پا کر وہ ششدر رہ گئی۔

''ہیلو......'' میں نے جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے شرارت سے کہا تو وہ حواس میں لوٹی۔

''آپ......؟''

اس کی سیاہ آنکھیں تحیر سے پھیل گئی تھیں۔ وہ میرے ہاتھوں میں موجود سوغات کو دیکھنے کی زحمت نہیں کر رہی تھی۔

''جی... میں۔'' میں نے بے حد اطمینان سے کہتے ہوئے قدم آگے بڑھائے تو وہ بوکھلا گئی۔

''آپ کیا کرنے آئے ہیں؟''

''تم سے ملنے آیا ہوں۔'' میں ہنوز پُرسکون انداز میں کہتا اس کے قریب سے ہو کر اندر داخل ہو گیا۔

''سنیں، پلیز!'' وہ بہ عجلت میرے پیچھے لپکی۔ میں اس وقت تک صحن میں کھڑا اس چھوٹے مگر صاف ستھرے سے گھر کا جائزہ لے رہا تھا۔

''یوں نہیں۔ اطمینان سے بیٹھو، بٹھاؤ اور پھر سنو اور سناؤ۔'' میں شرارتی لہجے میں بولا تو وہ جھنجلا کر کچھ کہنے ہی لگی تھی کہ اندر سے خالہ زرینہ نکل آئیں۔ وہ بھی مجھے دیکھ کر حیران ہوئی تھیں۔ میں نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے حسب عادت بڑی محبت سے میرے جھکے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''یہ ممانی جان نے کھیر بھیجی ہے۔'' میں نے پلیٹ آگے بڑھائی۔

مہرو کے حلق سے بے اختیار گہری سانس نکلی۔ وہ سر جھٹکتی آگے بڑھی اور مجھے گھورتے ہوئے پلیٹ لیے باورچی خانے میں چلی گئی۔ میں مسکراہٹ دبائے خالہ زرینہ کے ساتھ بیٹھک میں آ گیا۔

اس کی ایک جھلک دیکھنے کے بعد مجھے اگلے پندرہ بیس منٹ تک خالہ کی باتیں سننا پڑی تھیں۔ وہ بے چاری سیدھی سادی خاتون تھیں۔ ایک بات شروع کرتیں اور پھر اس میں سے ہی کئی شاخیں نکال

لیتیں۔ میں دل ہی دل میں نیما کے اس آئیڈیے کوکوس رہا تھا۔ وہ ذرا دیر کو سانس لینے کے لیے تھمیں تو میں اُٹھ کھڑا ہوا۔

''اب میں چلتا ہوں۔''

''نماز پڑھی ہوگی تمہیں بھی۔ میں بھی بس جانماز پر کھڑی ہونے ہی والی تھی۔ عصر کا ٹائم تو یوں بھی تنگ ہوتا ہے۔'' وہ قیافہ آرائی کرتی میرے ساتھ ہی باہر آ گئیں۔ میں اندر ہی اندر مہرو پر بھی لعنتیں بھیج رہا تھا۔

''مہرو! برتن لا دو، بھائی کو۔'' انہوں نے مہرو کو آواز دی اور پھر میری طرف متوجہ ہو کر بولیں۔ ''میں ذرا نماز پڑھ لوں۔''

میں ان کے ''بھائی'' پر حلق تک کڑواہٹ محسوس کرنے لگا تھا۔ وہ تو نماز پڑھنے لگیں جبکہ مہرو بمشکل باورچی خانے سے برآمد ہوئی تھی۔ اُس نے لاپروائی سے پلیٹ اور کور میرے ہاتھ میں تھمایا تو میں اُسے گھورتے ہوئے چل دیا۔ وہ دروازہ بند کرنے کے لیے میرے پیچھے تھی۔

دروازے تک پہنچ کر میں یکلخت پلٹا تو بمشکل مجھ سے ٹکرانے سے بچی۔

''اب بھی اگر تم یونہی گھر میں بند بیٹھی رہیں تو میں پھر آ جاؤں گا اور اگلی بار کسی بہانے سے نہیں آؤں گا، بلکہ شاید تمہیں اپنی پھپھو کے سامنے کوئی بہانہ بنانا پڑ جائے۔''

میں نے اُسے دھمکاتے ہوئے باہر کی راہ لی تو اُس نے ہڑبڑا کر ہوش میں آتے ہوئے زور سے میرے پیچھے دروازہ بند کیا تھا۔ مجھے اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا، اس لیے واپسی کا سفر بہت خوش گوار تھا۔

اگلی شام وہ گھر میں موجود تھی۔ ممانی جان اندر گئیں تو میں موقع پا کر ان دونوں ''کچی'' سہیلیوں کے پاس آ بیٹھا۔ میری اچانک آمد پر وہ دونوں چپ ہو گئیں۔

''خیریت؟'' نیما نے بہت بن کر پوچھا تو میں اطمینان سے بولا۔

''بالکل۔ اور آپ کی خیریت نیک مطلوب ہے۔'' پھر میں نے نیما کو وہاں سے غائب ہونے کا اشارہ دیا۔

''میری پیاری سی بہنا جلدی سے اسکواش بنا کر لائے گی۔'' نیما نہ چاہتے ہوئے بھی وہاں سے اُٹھی تھی۔

میں پوری طرح مہرو کی طرف پلٹا، جو اس سے بہت بے نیاز سی بیٹھی تھی۔

''اب اگر میں پوچھوں کہ سورج کس طرف سے نکلتا ہے تو تم کیا کہوگی؟'' میں نے شرارت سے پوچھا مگر وہ مسکرائی تک نہیں بلکہ بڑی طمانیت سے بولی۔

''وہ چیپٹر تو کلوز ہو گیا ہے۔''

''اور جو چیپٹر کھل گیا ہے اس کا تمھیں کوئی خیال نہیں؟'' میں نے معنی خیزی سے کہا تو ناسمجھی کا تاثر دیتے ہوئے بھی اس کے چہرے پر ہلکی سی سرخی دوڑ گئی۔

''کس بارے میں کہہ رہے ہیں، آپ؟''

میں نے چند لمحے خاموش رہ کر الفاظ اکٹھے کیے، پھر دھیمی آواز میں بولا۔

''مہروا تنی ناداں تو مت بنو۔''

''آپ، پلیز! مجھے مہرین کہیں۔'' وہ سنجیدگی سے مجھے ٹوک گئی تو میں اندر ہی اندر تلملا اٹھا۔ مگر میں نے خود کو اسی خوش گوار موڈ میں رکھا، جس پر مجھے یقین تھا کہ میری کامیابی کا انحصار ہے۔

''مجھی پر یہ قدغن کیوں؟''

''قدغن کی کیا بات ہے؟ میں نے کبھی آپ کو یہ حق دیا ہی نہیں۔'' وہ بہت اجنبیت سے کہہ رہی تھی۔

''شاید تم بھول رہی ہو کہ تمہارا پہلا تعارف ہی یہ تھا۔ مہرین تو تم بعد میں بنی ہو۔'' میں نے بمشکل ہونٹوں پر مسکراہٹ چپکا رکھی تھی۔

''مگر اب بن گئی ہوں۔ اور یہ آپ کو بھی معلوم ہو چکا ہے۔'' اس نے جتلایا کہ اُسے میری بے تکلفی پسند نہیں ہے۔ مگر میں نے ہار نہیں مانی۔

''اینی ویز........'' میں گہری سانس لے کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔ ''اگر میں یہ حق لینا چاہوں، تو؟''

''دیکھیں، میں ان سب فضولیات کو نہیں مانتی۔ اس لیے برائے مہربانی آپ اس قسم کی کوئی کوشش بھی مت کریں۔''

اب کی بار وہ ترش روئی سے بولی تھی۔ میرے اندر کا انا پرست اور اکھڑ سا احمر بیدار ہونے لگا، جسے تھپکتے تھپکتے میرا ضبط جواب دینے لگا تھا۔

''محبت فضولیات میں کب سے شمار ہونے لگی مہرین علی عباس؟ یہ تو آفاقی جذبہ ہے جو قدرت کی طرف سے دلوں میں اُتارا جاتا ہے۔اس کی شیرینی،اس کی سچائی اور جادوگری سے کون انکار کرسکتا ہے؟ ہاں،البتہ اگر تم اس حقیقت سے خود ہی نظریں چرانا چاہو تو جو چاہے نام دے لو اسے۔''میں بے حد سلگ کر بولا تھا۔

''میں نے کہا نا، کہ میں ان فضولیات کو نہیں مانتی۔''

''مگر تمہیں ماننا ہوگا۔''

میں نے ہٹیلے پن سے کہا تو وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔

''اگر مان بھی لوں،تو؟''

''تو۔''میں نے ذرا تھم کر پوری شدت،پورے جذبے کے ساتھ دھیمی آواز میں کہا۔''تو میں اپنی زندگی تمہارے نام لکھ دوں گا۔''

چند لمحوں تک وہ خاموشی سے میری طرف دیکھتی رہی۔مجھے یوں لگا،جیسے وہ میری سچائی کو جانچنا چاہ رہی ہو۔اس لئے میں نے اس کی کوشش ناکام کرنے کی خاطر بڑی بے باکی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے دیکھنا شروع کر دیا۔

اب کچھ بھی ہو،تھی تو وہ ایک نازک سی لڑکی ہی نا......میری شوریدہ سری کے آگے اس کی مدافعت کے بند کہاں قائم رہ سکتے تھے۔لمحہ بھر ہی میں وہ پلکیں جھپک کر ساتھ ہی چہرہ بھی موڑ گئی۔اس لمحہ میرے ہونٹوں پر پھیلنے والی مسکراہٹ یقیناً بے حد شاطرانہ تھی۔

''بلیو می مہرو! تمہارا خیال اب ہر پل مجھے اپنے حصار میں لئے رکھتا ہے۔اسے تم کیا کہوگی؟''

''یہ سب وقتی......''وہ کمزور لہجے میں کچھ کہنے لگی تھی کہ میں اس کی بات کاٹ گیا۔

''یہ وقتی کشش نہیں ہے مہرو! مجھے سمجھنے کی کوشش کرو۔میرے لئے لڑکیاں نئی چیز نہیں ہیں۔اسکول سے لے کر کالج اور اب یونیورسٹی تک میں لڑکیوں سے میری فرینڈشپ رہی ہے۔لیکن یقین مانو کہ اپنی

یہ کیفیت خود میرے لئے بھی بہت نئی اور نا مانوس ہے۔ اور اس کیفیت سے نا واقفیت کے باوجود میرا وجدان کہتا ہے کہ یہ اور کچھ نہیں، فقط محبت ہے۔ یہ وقتی کشش سے سوا کچھ ہے مہرو!'' میں لفظوں کے چناؤ میں بے حد احتیاط سے کام لیتا۔ بے حد ٹھہرے ہوئے لہجے میں اسے پوری طرح گھیر رہا تھا۔

اور تھی بھی وہ کیا؟...... فقط ایک نازک سی لڑکی۔

اور کیا وہ میرے لئے کوئی نئی مخلوق تھی؟ اتنے سال ہو گئے تھے مجھے بہت کامیابی سے اس مخلوق کو ہراتے ہوئے۔ یہ ٹھیک تھا کہ میری شہرت پورے تعلیمی کیریئر میں ایک بہت ذہین اور لائق اسٹوڈنٹ کے طور پر رہی تھی۔ مگر ساتھ ہی جو بات لڑکیوں میں ہلچل بلکہ سنسنی پھیلا دیتی تھی، وہ میری فلرٹیشن کی عادت تھی۔

پھر بھی لڑکیاں میری ذہانت اور پرسنیلٹی سے متاثر ہو کر میری طرف کھنچی چلی آتی تھیں۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ یہ فلرٹیشن محض لڑکیوں کو باتوں سے بے وقوف بنانے اور آپس کی شرطیں جیتنے کی حد تک ہی مجھے پسند تھی، اس سے آگے کی خرافات مجھے پسند نہیں تھیں۔ مگر یہ بات ضرور تھی کہ مہرین علی عباس ذرا ٹائم مانگ رہی تھی، جو کہ مجھے ایک چیلنج لگ رہا تھا۔

''ٹھنڈا ٹائم۔''

ہمارے بیچ پھیلی جامد سی خاموشی کو نیا کی شوخ آواز نے توڑا تھا۔ میں نے مایوس کن انداز میں اسے دیکھا تو وہ اسکواش کا جگ اور گلاس میز پر رکھتے ہوئے مہرو کی طرف مڑی۔

''مہرو پلیز!...... مان جاؤنا، جو بھائی کہہ رہے ہیں۔''

جواباً مہرین نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

''مہرو، پلیز!...... دیکھو کل تو تم بڑی تعریفیں کر رہی تھیں ان کی کہ اتنے برے ہیں تو نہیں، جتنے شکل سے لگتے ہیں۔ اور اب۔''

''نیا کی بچی! بکواس نہیں کرو۔'' وہ کرنٹ کھا کر پلٹی تھی۔ میں ہنس دیا تو وہ جھینپی مسکراہٹ کے ساتھ وضاحتاً بولی۔

''میرا مطلب دوسرا تھا۔''

''یہی تو میں کہہ رہا ہوں کب سے کہ ہماری ان تمام باتوں کے اور ہی مطالب ہیں۔ مگر تم کچھ سمجھنے کو تیار ہی نہیں ہو۔''
میں گلاس میں اسکوائش انڈیلتا، ذو معنی انداز میں بولا تو وہ جھجک کر چپ ہو گئی۔
''یہ......ہماری دوستی کے نام''
میں اسکوائش کا گلاس اس کی طرف بڑھاتا اسے آزمائش میں ڈال گیا تو وہ شپٹا کر نیا کو دیکھنے لگی۔ جواباً نیا نے مسمی سی شکل بنا کر منت بھرے انداز میں سر ہلایا تو اس نے بے اختیار امڈ آنے والی مسکراہٹ کو دانتوں تلے لب دبا کر روکا اور گلاس تھام لیا۔ پھر بھی لحظہ بھر کو اس کے رخساروں کی شفق نے میری نظر کو جکڑنے کی گستاخی کی تھی۔ لیکن تب میں ان باتوں کو در خور اعتنا ہی کب جانتا تھا۔ اس لیے وہ لمحہ یونہی بے ثمر گزر گیا۔
کچھ دیر کے بعد میری باتوں، نیا کی شوخیوں اور مہر وکی پُر جھجک باتوں سے دوستانہ فضا پیدا ہو چکی تھی۔



پچھلی طرف کے کھیتوں سے کچھ دور نہر کا کنارا تھا، جہاں گرمیوں کی راتیں بہت خوب صورت ہوتی تھیں۔ بہت منت و سماجت کے بعد میں مہر و کو وہاں سے لے گیا تھا۔ نیا نے مجھے مہر و کو گھر چھوڑ آنے کو کہا تھا مگر میں نے راستے ہی میں رخ پگڈنڈی کی طرف کیا تو وہ بے چارگی سے بولی۔
''احمر، پلیز......اتنی دیر ہو رہی ہے۔'' وہ اتنی ہی ڈرپوک تھی۔ بہادری کا چوغہ تو میرے جال میں پھنستے ہی اس نے اتار پھینکا تھا۔
''بس دس پندرہ منٹ......چلو صرف پانچ سات منٹ۔'' میں نے ''دس پندرہ منٹ'' پر اس کی رنگت دیکھ کر فوراً ٹائم میں تخفیف کی تو وہ مردہ دلی سے چلتی میرے برابر آ گئی۔
وہ پورے چاند کی رات تھی۔
ہر چیز نور میں نہائی ہوئی تھی۔

وہ قدرے جھجک رہی تھی۔شاید اسے کسی کے دیکھ لینے کا خدشہ ہو۔مگر میں ان تمام خدشات سے بے نیاز تھا۔یہ سب اوہام تو مجھے تب ستاتے، جب مجھے بھی اس سے کوئی لگاؤ ہوتا۔
دھیرے دھیرے بہتے پانی میں چاند کا عکس ڈول رہا تھا۔زرد چاندنی نہر کے پانی کو بھی سونا بنا رہی تھی۔
ہم دونوں نہر کے کنارے پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔
کوئی اور منظر اس قدر دل میں اترنے والا بھی ہو سکتا ہے،میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔میں مسمرائز سا چاند کے عکس پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔بنا کچھ بولے،بنا کچھ کہے۔کتنے ہی لمحے بیت گئے۔
لمحوں کا سکوت دل پر عجیب طرح سے اثر انداز ہو رہا تھا۔میں نے پانی میں ڈولتے چاند کے عکس پر سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا۔وہ گھٹنوں کے گرد ہاتھ باندھے ساکت بیٹھی تھی۔اس کی توجہ کا مرکز بھی چاند کا عکس ہی تھا،جو اس وقت ساحر بنا مسمرائز کر رہا تھا۔
وہ سیاہ لباس میں ملبوس تھی۔اس کا دوپٹہ آدھا شانے پر اور آدھا گود میں دھرا تھا۔اس کے بے حد سیاہ،چمکیلے بال شانوں پر بکھرے تھے۔وہ یوں ساکت بیٹھی مصری شہزادی لگ رہی تھی۔ایک عجیب سا حزن آمیز حسن اسے گھیرے ہوئے تھا۔اس قدر تنہائی اور قربت۔چند لمحوں کے لئے مجھے یوں لگا،جیسے ہر طرف صرف وہی ہے۔اسی پل کے حصار میں گھر کر میں نے بے اختیار اس کا ہاتھ تھاما تو وہ بے حد چونک کر مجھے دیکھنے لگی۔
تب مجھے بھی لگا،جیسے اس کی قربت مجھ پر بہت اثر کر رہی ہے۔مگر ایک مرد کو ایسی باتوں کا جتنا خیال آ سکتا ہے،اتنا ہی مجھے بھی آیا تھا۔اس کے بعد میں نے بس ان لمحوں کو انجوائے کرنا شروع کر دیا۔اس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ کھینچا تھا۔وہ بہت سادگی مگر سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔
”میں نے خود کو ہمیشہ کمزور اور بزدل لڑکیوں سے مختلف سمجھا تھا۔مگر مجھے اب احساس ہوا ہے کہ ہم لڑکیاں ایک سی ہوتی ہیں۔چاہے،بہت ماڈ ہوں،بولڈ ہوں،بزدل ہوں یا بے وقوف ہوں،ہوتی وہی ہیں۔ایک ہی نگاہ سے پگھلنے والی۔خوب صورت،آنچ دیتے لفظوں سے مسمرائز ہونے والی۔“
اس نے رک کر ایک گہری سانس اندر کھینچی تھی۔وہ بہت الجھی الجھی سی دکھائی دے رہی تھی۔اور یہ بات میں بے تکلفی کے اول روز سے محسوس کر رہا تھا۔

''محبت کر کے پچھتا رہی ہو؟'' میں نے پرکھتی نگاہوں سے اُسے دیکھا تو وہ مضطربانہ انداز میں ہنس دی۔

''پتہ نہیں، احمر! مگر میں بہت عجیب سا محسوس کر رہی ہوں۔''

''کیا مجھ پر یقین نہیں ہے تمہیں؟''

''یہ بات نہیں ہے۔'' اس نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ پھر مجھے دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں نمی کی ہلکی سی تحریر تھی، جسے دیکھ کر مجھے بہت طمانیت سی محسوس ہوئی۔ احمر نواز کو بےوقوف بنانے والے کو اتنی تو سزا ملنی ہی چاہیے تھی نا؟

''احمر! کیا مجھے آپ کے ساتھ یہاں آنا چاہیے تھا؟''

وہ واقعی بہت اُلجھی ہوئی تھی۔ میں نفی میں سر ہلانے لگا۔ زبان کی نوک پر آئی ''ہاں'' کو میں نے روک لیا تو وہ تحیر سے مجھے دیکھنے لگی۔

''کیا مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟'' میں نے اُسے گھورا مگر وہ کسی اور ہی خیال میں تھی۔

''یہ پہلی اور آخری بار ہے، احمر! محبت بعض اوقات آپ کو بہت گرا دیتی ہے۔ اور میں نہیں چاہتی کہ میں محبت میں اچھا بنتے ہوئے بری بن جاؤں۔''

''کم آن، مہرو! ان لمحوں کو انجوائے کرو۔''

مجھ پر بھلا کسی لڑکی کے ''دھڑکوں'' کا کیا اثر ہوتا تھا۔ میں تو بس ثابت کرنا چاہ رہا تھا کہ میں نہیں، درحقیقت وہی بےوقوف بنی ہے۔ پھر مجھے کچھ خیال آیا۔

''اور اگر میں غداری کر گیا تو؟'' چاندنی میں دمکتے اس کے وجود پر نظریں جما کر میں نے شرارت سے پوچھا تو چند لمحوں تک مجھے دیکھنے کے بعد وہ بےحد سادگی سے بولی۔

''تو میں مر جاؤں گی۔'' کتنے آرام سے اس نے کہہ دیا تھا۔ جیسے اس سوال کا صرف یہی جواب ہو۔ لمحہ بھر کو میں ڈگمگا گیا۔

''اوہو........ بڑی محبت ہو گئی ہے مجھ سے۔''

''بس اب چلیں احمر!'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے کپڑے جھاڑنے لگی۔ میں نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ چاند اس کی پشت پر تھا۔

میرے دل میں عجیب سی سنسنی پیدا ہونے لگی۔ میں سر جھٹکتا اٹھ کھڑا ہوا۔ تبھی آسمان پر ایک ستارہ ٹوٹا اور اپنے پیچھے ایک چمکتی لکیر چھوڑتا غائب ہو گیا۔ میں مہر و کو متوجہ کرنے کے لئے اس کی طرف مڑا تو حیران رہ گیا۔

وہ آنکھیں موندے زیر لب کچھ پڑھ رہی تھی۔

''مہرو!'' میرے اچانک پکارنے پر اس نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور مسکرا دی۔

''کیا ہوا؟''

وہ کچھ بولے بغیر نفی میں سر ہلا کر مجھ سے پہلے واپسی کے لئے پلٹی تھی۔

''تم ابھی کیا پڑھ رہی تھیں؟'' میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے سرسری انداز میں پوچھا۔ لحظہ بھر کے توقف کے بعد وہ ہلکی سی آواز میں بولی۔

''میں آپ کو بتاؤں گی تو آپ ہنسیں گے۔''

''پرامس نہیں ہنستا۔'' میں اس کے سامنے آ کر الٹے قدموں چلنے لگا۔

''میں دعا مانگ رہی تھی۔''

''اس وقت؟'' میری حیرانگی بجا تھی۔ وہ جھینپ سی گئی۔

''ابھی آپ نے ستارہ ٹوٹتے ہوئے نہیں دیکھا؟ کہتے ہیں، یہ دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔'' اس کے انداز میں اس قدر سادگی اور اعتقاد تھا کہ میں بمشکل اپنے حلق میں آئے قہقہے کو واپس دھکیل سکا۔

''اچھا...... پھر تم نے دعا میں کیا مانگا؟''

بظاہر میں نے اشتیاق سے پوچھا حالانکہ اندر سے میرا یہ حال تھا کہ جی چاہ رہا تھا کہ ابھی جا کر بلال اور نیہا کے سامنے اکیسویں صدی کی اس لیلیٰ کی کہانی رکھ دوں اور پھر اس کی بے وقوفی پر خوب قہقہے لگاؤں تاکہ اسے بھی اپنے بے وقوف بنائے جانے کا اچھی طرح علم ہو سکے۔ اسے بھی پتہ چلے کہ امر نوازاتنی آسان شے نہیں ہے۔

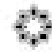
اس کی خاموشی پر میں نے پھر سے پوچھا۔ "بتاؤنا......کیا مانگا تم نے؟"

اور اس نے ٹھٹک کر صرف ایک، بس ایک ہی نگاہ مجھ پر ڈالی تھی اور میں جہاں کا تہاں رہ گیا تھا۔

وہ کچھ بولی نہیں تھی مگر مجھے خود بخود پتہ چل گیا تھا۔

میرا وجدان پلٹ پلٹ کر مجھ سے کہہ رہا تھا کہ اس نے خالق تقدیر سے مجھے مانگا تھا۔

میں ٹھوکر سے گھاس اڑاتا تیز قدموں سے چلتا اس سے آگے نکل گیا۔ پتہ نہیں کیوں، میرے اندر شدید جھنجلاہٹ اور بے چینی بھرنے لگی تھی۔ باقی تمام راستے میں، میں نے اس سے کوئی بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور وہ بھی جانے کن سوچوں میں محو چلتی رہی۔ حتیٰ کہ خالہ زرینہ کا دروازہ آ گیا۔



یہ میری ہی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ چھٹیوں کے آخری دنوں میں بلال اور نیہا کی بات پکی ہو رہی تھی۔

میں بے حد خوش تھا۔ کیونکہ امی، ابو اور بڑے بھائی کے ساتھ بھابی اور آپی بھی آئی تھیں۔ ماموں کا گھر بھرا سا گیا تھا۔

بڑے ماموں تو بلال کو منگنی والے روز ساتھ لانے پر رضامند ہی نہ تھے۔ مگر یہ پہاڑ بھی میں نے اپنی ذہانت اور چرب زبانی کے بل بوتے پر سر کیا تھا۔ جس کے لئے بلال میرا بہت مشکور تھا۔

میں آپی کو بلانے کے لئے تیزی سے باورچی خانے میں داخل ہوا تو باہر نکلتی مہرو سے بہت بری طرح ٹکرا گیا۔ اس کی چوڑیوں بھری کلائی میرے سینے سے ٹکرائی تو کتنی ہی چوڑیاں ٹوٹ کر فرش پر بکھر گئیں۔

وہ بجلی کی سی تیزی سے پیچھے ہٹی تھی۔

لحظہ بھر کو تو میں دنگ ہی رہ گیا۔
شیفون کے سفید لباس میں ملبوس، دونوں کلائیوں میں سفید ہی چوڑیاں پہنے وہ بہت ماورائی سا تاثر پیدا کر رہی تھی، جیسے کوئی بھولی بھٹکی شہزادی۔ اس لمحے مجھے خود کو سنبھالنا بے حد مشکل لگا مگر میں فوراً ہی آپی کی طرف پلٹ گیا، جو اس ادا کے سے بہت محظوظ ہو رہی تھیں۔
''باہر چل کے اپنے شہزادے کو سنبھالیں۔ رو رو کے اس نے سارا فلیٹ سر پہ اٹھا رکھا ہے۔ دولہا بھائی تک بولائے پھر رہے ہیں۔'' میں ان کی ہنسی پر چڑ کر غصے سے بولا۔ ایک مقصد اپنی کیفیت کو بھی معمول پر لانا تھا۔ آپی مسکراہٹ دبانے کا تکلف کیے بغیر باہر نکل گئیں۔ وہ اس اثنا میں زمین پر بکھری ٹوٹی چوڑیاں سمیٹ چکی تھی۔
''ان کا کیا کرو گی اب؟'' میں نے اس کے سراپے کو نظروں کی گرفت میں لیتے ہوئے پوچھا۔ مجھے تب شعور ہی کہاں تھا کہ محبت کی حد کہاں ختم ہوتی ہے اور کہاں جا کر وہ ہوس یا کھیل بن جاتی ہے۔
وہ میرے لیے فقط انجوائے منٹ تھی۔
اور بہت تھوڑا ہی وقت رہ گیا تھا کہ میں اس پر واضح کر دیتا کہ احمر نواز اسے بے وقوف بنا گیا ہے۔
''اسے ہتھیلی پر توڑ کر سنا ہے، محبت ناپی جاتی ہے۔'' وہ مسکرائی تو میں نے شانے اچکائے۔ اس نے چوڑی کا ٹکڑا اپنی شفاف گلابی ہتھیلی پر رکھ کر ہلکے سے دباؤ سے توڑا۔ محبت تو کیا ناپی جاتی، کانچ کا ٹکڑا اس کی ہتھیلی میں پیوست ہو گیا۔ وہ خائف ہو کر مجھے دیکھنے لگی۔ لحظہ بھر کو میں بھی گڑبڑا گیا۔
''دیکھا...... کتنی گہری محبت ہے ہماری؟'' میں اس کے سر پہ چپت لگاتا باہر نکل گیا اور سکون کی سانس لی۔
دو دن تک ہم سب نے خوب دھما چوکڑی مچائے رکھی۔
اسی اثنا میں نیا نے آپی کو میرے متعلق بتا دیا۔ اب وہ اور بھائی میرے پیچھے پڑ گئیں۔
پہلے تو آپی نے مجھے خوب ڈانٹ ڈپٹ کی۔ ان کے خیال میں ابھی ان چکروں میں پڑنے کی میری عمر نہیں تھی۔ پھر بھائی نے میری حمایت کی تو آپی بھی متفق ہو گئیں۔

''ویسے اگر یوں ہو جائے تو اچھا ہی ہے۔ بلکہ میں تو مہرو کو خصوصاً نظر میں رکھوں گی۔ بہت اچھی ہے اور خوب صورت بھی۔''

''خدا کے لئے آپی، بھابی، آپ لوگ کس کی باتوں میں آ رہی ہیں؟'' میں نے صاف مکرتے ہوئے ان کے آگے ہاتھ جوڑے تو وہ حیرت سے مجھے دیکھنے لگیں۔

''نمی کا بس چلے تو وہ اپنی ہر اچھی اور کپلی کی شادی مجھ سے کرا دے۔ اور میں بھلا ایسا پاگل پن کر سکتا ہوں؟ ابھی تو مجھے اپنی پڑھائی مکمل کرنا ہے اور اس کے بعد بزنس سنبھالنا ہے۔''

نیما موجود نہیں تھی، اس لئے میرا مکرنا بہت آسان ثابت ہوا تھا۔ اگر وہ ہوتی تو ایک قیامت اٹھا چکی ہوتی۔

میرے بہت سے وعدوں اور دعوؤں کی گواہ تو وہ بھی تھی اور میں نے کب اس سے کچھ چھپا رکھا تھا۔ لیکن یہ بات بھی سچ تھی کہ میں نے ایک پل کو بھی نیما یا مہرین کے ردعمل سے متعلق کچھ نہیں سوچا تھا۔ اب ایک لمحے کو یہ سوچ ذہن میں آئی تو میں نے فتح کے نشے میں سرشار سر جھٹک دیا۔

اس کا ری ایکشن بھی وہی ہوگا، جو میرا تھا۔ اس کھیل میں کسی نہ کسی کو تو شکست برداشت کرنا ہی پڑتی ہے۔ ہاں، یہ الگ بات ہے کہ مہرین علی عباس کبھی زندگی بھر یہ نہیں جان پائے گی کہ اس نے کبھی مجھے بے وقوف بنا لیا تھا۔ میں اپنی ذہانت پر بہت خوش تھا۔ میں نے بے حد موقع پر بازی پلٹ دی تھی۔

آپی اور بھابی کو میں نے کسی بھی قسم کے ''ارادے'' سے سختی سے منع کر دیا۔ بھلا میں خود پر حاوی ہونے والی بیوی لا سکتا تھا؟

تیسرے دن سب کے ساتھ میں نے بھی سامان بندھوا لیا تو نیما مجھ سے جھگڑنے لگی۔ مگر میری مجبوری سامنے کی بات تھی کہ چھٹیاں ختم ہو رہی تھیں۔ نیما مجھ سے کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔ یقیناً وہ مہرو سے متعلق بات کرنا چاہ رہی تھی۔ مگر میں سب کے درمیان یوں مصروف رہا کہ وہ بھی بکل سی گئی۔

میں یوں تو مہرین علی عباس کے منہ پر اس کی شکست کی خبر اسے سنانا چاہتا تھا۔ مگر پتہ نہیں کیا سوچ کر میں نے ساری بات تفصیل سے بلال کو بتا دی۔ وہ ششدر مجھے دیکھتا رہ گیا۔ مگر میں اس قدر مطمئن اور سرشار تھا کہ مجھے کسی کی بھی پروا نہیں تھی۔ اب میری عزت نفس، میری انا سرشار تھی۔ اس پر کسی قسم کا کوئی بار نہ تھا۔



اور پھر طویل چار سال جیسے دنوں میں گزر گئے۔
میں نے بوجھل پلکوں کو کھول کر نگاہ دیروں جڑے آسمان پر جما دی۔
بے ارادہ میری نظر کوئی ٹوٹا ہوا ستارہ تلاش کر رہی تھی۔
''مہرو......''
مجھے اس ایک نام سے جڑی شرارتیں اور بے وقوفیاں یاد آنے لگیں تو بے ساختہ مسکراہٹ نے میرے ہونٹوں کا گھیراؤ کر لیا۔
خود کو بہت روکنے کے باوجود جب میں نہیں رہ پایا تو ہاتھ بڑھا کر بلال کو جھنجوڑ ڈالا۔ وہ ہڑبڑا کر جاگ گیا۔
''کیا تکلیف ہے؟'' اس نے نیند سے سرخ ہوتی آنکھوں سے مجھے گھورا۔
''یار! وہ نمی کی سب سے پکی سہیلی کا کیا بنا؟''
میرے بے حد تجسس کے جواب میں وہ چڑ کر بولا۔
''اس کا منگیترا سے بیاہ کر لے گیا ہے۔ غالباً زیبا نام تھا اس کا۔ تیرے چانس کا چانس تک نہیں ہے۔''
''ذلیل انسان! میں مہرو کی بات کر رہا ہوں۔'' میں نے اسے گھورا تو وہ چپ ہو کر مجھے دیکھنے لگا۔
''وہ ڈر! وہی شعلہ جوالا، دہکتے کوئلوں کی انگیٹھی۔'' میں نے اسے سمجھانے کی خاطر حوالے دیئے جو کہ بہت مستند تھے۔
''مہرو...... مہرو کی بات کر رہے ہو؟'' وہ بہت سنجیدہ تھا، جب کہ میں اتنی ہی شوخی میں تھا۔
''اور کون یار!...... وہی لڑکپن کا پیار۔''

میری بات کے جواب میں چند لمحوں کے توقف سے وہ بے تاثر انداز میں بولا۔

''وہ تو مر چکی ہے۔''

مجھے یوں لگا، جیسے میرے پلنگ میں کسی نے کرنٹ دوڑا دیا ہو۔ یوں ایک جھٹکے سے میں اُٹھا تھا۔

''کیا......؟''

''بتا تو رہا ہوں۔ اُس نے خودکشی کر لی تھی۔'' وہ بیزار کن انداز میں کہتا کروٹ بدل گیا۔

میرے اندر سینکڑوں دھماکے ہونے لگے۔

مجھے اپنی سماعتوں پر نہیں، بلکہ بلال کے دماغ کے بھی خراب ہونے پر یقین ہونے لگا۔

''بلال! میں مہرو کی بات کر رہا ہوں۔ وہی بے وقوف سی، جو مجھے......''

اپنے اندر کے شور سے گھبرا کر میں نے ناگواری سے بلال کو اپنا مافی الضمیر سمجھانا چاہا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ یہ سب بکواس وہ نیند میں کر رہا ہے۔ مگر وہ اسی بیگانگی بھرے انداز میں بولا۔

''میں اسی مہرو کی بات کر رہا ہوں۔ مہر النساء علی عباس کی۔ اس نے چار سال پہلے پچھلی نہر میں چھلانگ لگا دی تھی۔ خودکشی کر لی تھی اس نے۔ پورے چھ گھنٹے بعد اس کی لاش ملی تھی۔ بس یا کچھ اور؟''

وہ رُکا تو میرا دل بھی رک سا گیا۔

یک لخت میرے کانوں میں سیٹیاں سی بجنے لگیں۔

میں سوچنا چاہ رہا تھا کہ کیا ہوا ہو گا۔ مگر میری سوچ کسی ایک نکتے پر مرتکز نہیں ہو پا رہی تھی۔ میں اب وہ پہلا امر نہیں رہا تھا، جو سر جھٹک کر بارتا رہتا۔ واقعی ان الفاظ نے میرے اندر ایک دہشت سی پیدا کر دی تھی۔

نہر کی طرف سے آنے والی ہوا کا نرم جھونکا میرے چہرے سے ٹکرایا تو ذہن نے منتشر حواس کو قابو میں کرنے کی تگ و دو شروع کر دی۔

''اور بھی تو بہت سی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ وہ اتنی بے وقوف تو نہیں تھی کہ ذرا سی بات کے پیچھے........''
میں نے سنسناتے ذہن کے ساتھ خود کو بری کرنا چاہا مگر ضمیر نے اس کمزور اور گھٹیا سوچ کو پنپنے ہی نہیں دیا۔
آج سے چار سال پہلے اگر میں کبھی یہ سوچتا تو خود کو حق بجانب محسوس کرتا۔ مگر اب مجھ میں بہت ذہنی وجذباتی پختگی آچکی تھی۔ وقت نے میری جھاڑ پونچھ کر کے مجھے ایک بہت میچور شخص کا روپ دے دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ لڑکپن کی نادانی یوں احساس جرم کے ناگ کی شکل میں ڈسنے لگی تھی۔
''اس نے تو کہہ دیا تھا، احمر نواز! جدائی کا مطلب ہے موت۔''
''نہیں۔'' میں سر جھٹکتا پلنگ سے نیچے اتر آیا۔
''جب محبت ہی نہیں تھی، تو؟'' میں نے حقیقت پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ذرا سا سوچا تو میں ششدر رہ گیا۔ وہ دلکش و دل نواز سراپا آج بھی پوری طرح ذہن کے پردہ اسکرین پر جگمگا رہا تھا اور اسی بات نے مجھے متحیر کر دیا تھا۔
خدا گواہ تھا کہ گزشتہ چار سالوں میں کبھی میں نے مہرین علی عباس کو سوچا تک نہیں تھا اور گزشتہ ڈیڑھ سال سے تو اتفاق والی بات بھی نہیں رہی تھی۔ کیونکہ نویلہ حسن پورے طمطراق سے میری زندگی میں داخل ہو چکی تھی۔ کس قدر مطمئن اور پُرسکون زندگی گزار رہا تھا میں۔
مجھے کبھی اندازہ بھی نہیں تھا کہ وقت کے تند و تیز تھپیڑے ماضی کے اوراق کو الٹ پلٹ کر ایک بے حد دل خراش حقیقت کو میرے سامنے یوں برہنہ کر دیں گے۔
میں نے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے گہری سانس لے کر خود کو ریلیکس کرنے کی کوشش کی۔
''ہوسکتا ہے کہ چار سال پہلے کچھ اور ہوا ہو۔ کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ اور پھر ہم دونوں میں تھا بھی کیا۔ چند عہد و پیمان اور خوب صورت باتیں۔ یہ سب اتنا اہم تو نہیں تھا کہ وہ انتہا کو پہنچ جاتی۔''
احساس جرم پوری طرح مجھے اپنی گرفت میں لے رہا تھا۔ میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ٹوٹتے ستارے کو دیکھ کر میرے ساتھ کی دعا مانگنے والی، ٹوٹی چوڑیوں سے پیار ناپنے والی لڑکی۔

''وہ مرگئی ہوگی، احمر نواز!'' دل کی گہرائیوں سے ایک صدا ابھری تھی۔ گزرتے وقت نے مجھے اتنا تو شعور بخش ہی دیا تھا کہ اب میں لڑکیوں کی ''قسموں'' کے متعلق صحیح رائے زنی کر سکتا تھا۔
میرے پیروں میں سنسناہٹ سی ہوئی تو میں نے دیکھا، مانو اپنا سر میرے پیروں سے رگڑ رہی تھی۔ بے اختیار بیٹھ کر میں نے اس کی بے داغ ملائم جلد پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بے آواز سرگوشی کی۔
''مانو! امبر و کہاں ہے؟'' وہ ہلکی سی آواز کے ساتھ مجھے دیکھنے لگی۔ میں اس پل ہارے ہوئے جواری کی سی کیفیت میں تھا۔
ضروری تو نہیں کہ وہ میری وجہ سے اس اقدام پر مجبور ہوئی ہو۔ کوئی گھریلو جھگڑا بھی ہو سکتا ہے۔ اور پھر اپنے قول و فعل کی وہ خود ذمہ دار تھی، میں نہیں!
پوری رات خود احتسابی میں گزارنے کے بعد بھی میں حقیقت سے نظریں چرائے رہا کیونکہ میں خود پر احساس جرم طاری نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے میں سوچتا رہا۔
صبح کے قریب میری آنکھ لگی تو پھر بلال کے جھنجوڑنے پر ہی اٹھا۔
''اٹھ جاؤ......اب سورج سر پر آ گیا ہے۔''
''سونے دو بلال! اور خود کو سورج سے تشبیہ مت دو۔ ہاں، بری گھڑی کہو، لو سر پر آ گئی ہے۔'' میں نے نیند میں کہتے ہوئے چادر سر تک تان لی۔ میری نیند ابھی پوری نہیں ہوئی تھی، مگر اس نے جب تک مجھے جگا نہیں لیا، اسے چین نہیں آیا۔ آخری حربے کے طور پر اس نے چادر کھینچ لی تھی۔ سورج کی شعاعیں میری آنکھوں کو چندھیا گئیں۔ میں نے تکیہ چہرے پر رکھنے کی کوشش کی تو وہ بھی بلال نے اپنی تحویل میں لے لیا۔
''خبیث انسان!'' میں غصے میں بکتا جھکتا اس کے پیچھے لپکا تو وہ نیچے بھاگ لیا۔
اب نیند تو بھاگ ہی چکی تھی، اس لئے میں ٹھنڈی آہ بھر کے بستر کو دیکھتا نیچے آ گیا۔ باتھ روم سے فارغ ہو کر جب تک میں باورچی خانے میں پہنچا، ماموں جان ناشتہ کر کے اسٹور جا چکے تھے۔ ممانی جان برآمدے میں کوئی چادر کاڑھنے بیٹھی ہوئی تھیں۔ بلال ان کے پاس بیٹھا تھا۔ مجھے باورچی خانے میں داخل ہوتا دیکھ کر اسے بھی موقع مل گیا۔ نیّا خاموشی سے پراٹھے بنانے میں مصروف تھی۔ ساتھ ہی دوسرے چولہے پر اس نے چائے تیار کر کے تھرماس میں ڈال دی اور آملیٹ کے لئے پیاز کاٹنے لگی۔ باورچی خانے میں عجیب سی خاموشی پھیلی ہوئی تھی، یا شاید مجھے ہی ایسا محسوس ہو رہا تھا۔ یوں لگ رہا

تھا، جیسے ہم تینوں ایک دوسرے کے لئے بالکل اجنبی ہیں، جن کے پاس آپس میں بات کرنے کے لئے کوئی بات نہیں۔

''تمہیں نہیں لگتا کہ اس گھر میں بے حد سکون آ گیا ہے؟''

میں نے اپنے اندر کے شور اور باہر کی خاموشی سے گھبرا کر بلال کو خوشگوار انداز میں متوجہ کیا تو وہ میری بات سمجھتے ہوئے مسکرا دیا۔

''ہاں بھئی......لوگ اب بہت سنجیدہ ہو گئے ہیں۔''

''اور سمجھدار بھی۔'' میں نے لقمہ دیا تو بلال ہنسا۔

''خیر، اب اتنی لمبی تو مت چھوڑو۔''

''دیکھ لو نیا! یہ بلال کہہ رہا ہے، میں نہیں۔'' میں نے نیا کو مخاطب کیا تو وہ ایک نظر مجھ پر ڈال کر فرائی پین میں انڈوں کا آمیزہ ڈالنے لگی۔ میرے اعصاب تن سے گئے۔ نیا کا رویہ بہت حوصلہ شکن تھا۔ وہ صاف طور پر مجھے مجرم ٹھہرا رہی تھی۔ زبان سے نہیں کہہ رہی تھی، مگر اس کے ہر انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ اصل حقیقت کیا ہے۔

''کیا تم یہ چاہتی ہو کہ میں یہاں سے چلا جاؤں؟'' میں نے بے حد سنجیدگی سے کہا تو وہ مجھے دیکھتے ہوئے اطمینان سے بولی۔

''یہ آپ کے ماموں کا گھر ہے، میں کیوں ایسا چاہنے لگی؟''

اس کی بات مجھے سناٹوں میں دھکیل گئی۔ کتنے اطمینان سے اس نے جتا دیا تھا کہ اگر یہ اس کا گھر ہوتا تو وہ ایسا چاہ سکتی تھی۔

''یوں چھپ وار کرنے سے بہتر ہے کہ تم کھل کر کہہ لو، جو بھی کہنا چاہتی ہو۔'' میں بمشکل اپنے غصے پر قابو پا سکا تھا۔

''آپ کیا سننا چاہتے ہیں؟'' اس نے اسی انداز میں کہتے ہوئے پلیٹ میں آملیٹ نکال کر میری طرف کھسکا دیا اور دوسری پلیٹ بلال کے آگے رکھ دی، جو خاموشی سے ہماری باتیں سن رہا تھا۔

''وہی سننا چاہتا ہوں، جس نے تمہارا رویہ بدل کر رکھ دیا ہے۔ تم محض مفروضوں کے بل بوتے پر کہانی بنائے بیٹھی ہو۔'' میرے انداز میں خفیف سا طنز اتر آیا۔ چند ثانیوں تک وہ مجھے دیکھتی رہی۔ میں اندر

ہی اُس کی مضبوطی پر بہت حیران ہو رہا تھا۔
''یہ مفروضہ نہیں، ایک تلخ حقیقت ہے۔ آپ نے فقط مجھ سے میری بہترین دوست ہی نہیں، میرا بھائی بھی چھین لیا ہے۔''
قدرے توقف کے بعد وہ سر جھکا کر بولی تو اُس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ لحظہ بھر کو میں سُن سا رہ گیا۔ وہ بات جو بلال کی زبانی سن کر میں مذاق سمجھ رہا تھا، اب مجھے ایک دہشت ناک سچائی کے طور پر محسوس ہوئی تھی۔ مگر میں یہ بھی سمجھ رہا تھا کہ اگر میں نے یونہی چپ چاپ سرنڈر کر دیا تو یہ الزام مجھ پر ثابت بھی ہو جائے گا۔
''تم محض الزام تراشی کر رہی ہو، نیا!'' میرے لہجے میں تپش سی اتر آئی تو وہ بھیگی آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے تلخی سے بولی۔
''وہ مر چکی ہے۔ اس سے بڑھ کر سچائی کیا ہوگی؟''
اس کے اس اچانک حملے پر مجھے بولنا بہت مشکل لگا مگر مجھے پتہ تھا کہ اپنی وکالت خود مجھ ہی کو کرنی تھی۔
''تو یہ کیسے ثابت ہوا کہ وہ میری وجہ سے......'' بہت غصے سے کہتے ہوئے بھی میں بری طرح اٹکا تھا۔
''مگر میں جانتی ہوں۔ اور کوئی وجہ تھی ہی نہیں۔'' وہ غصے میں آ کر چیخی تو میں شاکڈ ہو گیا۔ نیا نے زندگی میں کبھی مجھ سے اتنی بدتمیزی سے بات نہیں کی تھی۔
یہ بات یقیناً بلال کو بھی محسوس ہوئی تھی۔ اسی لیے وہ ناگواری سے اسے ٹوک گیا۔
''تمیز سے بات کرو، نیا! یہ کوئی عدالت نہیں ہے۔''
''انہیں تو واقعی عدالت میں لے جانا چاہیے۔'' وہ اب بھی اسی بگڑے ہوئے انداز میں بولی تو میں نے اپنی کنپٹیاں سلگتی محسوس کیں۔
''تم مجھے کوئی الزام نہیں دے سکتیں۔ اگر اس نے خودکشی کی بھی ہے تو یہ اس کی اپنی کمزوری تھی۔ میں نے تو اس سے ایسا کچھ کرنے کو نہیں کہا۔''
''مگر اس سٹیج تک اسے لائے بھی تو آپ ہی تھے۔'' وہ بے رخی سے بولی تو میں نے بھی اسی کے سے انداز میں کہا۔

''میں نے بھی اسے اتنا ہی بے وقوف بنایا تھا، جتنا کہ اس نے مجھے۔''
''مگر آپ نے اس کا جذباتی استحصال کیا تھا۔ ایک لڑکی کے لئے اس سے بڑی اور کیا بات ہو سکتی ہے؟''
لگ رہا تھا کہ وہ بس مجھے مجرم ٹھہرانا چاہ رہی ہے اور یہ بات میری ٹینشن کو مزید بڑھا رہی تھی۔
''ایسی لڑکیوں کو بات بڑھانے سے پہلے سوچنا چاہیے۔'' میں سلگ کر بولا تو وہ چلا اٹھی۔
''ایسی لڑکیوں سے کیا مراد ہے آپ کی؟ کیا وہ بری لڑکی تھی؟...... وہ میری دوست تھی۔ جیسی میں ہوں، وہ بھی ایسی ہی تھی۔''
''میں اسے برا نہیں کہہ رہا۔'' مجھے بھی ناچار اونچی آواز میں بولنا پڑا۔ ''مگر میں بہر حال اس سے مذاق کر رہا تھا۔''
''وہ مذاق تھا؟'' نیما اسی انداز میں بول رہی تھی۔ ''آپ کے لئے وہ مذاق ہو سکتا ہے اس کے لئے تو وہ زندگی اور موت کا معاملہ تھا۔ بلکہ شاید ہر لڑکی کے لئے ہوتا ہے۔''
''پلیز نیما! مجھے ٹینشن مت دو۔ پیار کا کھیل شروع کرتے ہوئے ہر ایک کو شکست کا سامنا کرنے کا حوصلہ بھی پیدا کرنا چاہیے۔ اب اس میں اتنا حوصلہ نہیں تھا تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔'' میرا خود پر سے ضبط اٹھنے لگا تھا۔
''حوصلہ وہ پیدا کرتا ہے جو اسے کھیل سمجھتا ہے۔ اس نے اسے کھیل نہیں سمجھا تھا، اسی لئے تو آپ کا اصل روپ وہ برداشت نہیں کر پائی۔''
''اسے کوئی بھی دھوکا دے سکتا تھا۔ میں نے تو فقط مذاق کیا تھا۔''
''وہ اتنی گری پڑی نہیں تھی کہ کوئی اسے بھی دھوکا دے جاتا۔'' وہ بے حد ناگواری سے بولی۔ پھر اس کے انداز میں قدرے آزردگی آ گئی۔
''آپ میں بھی سب سے اہم کوالٹی اسے یہ نظر آئی تھی کہ آپ میرے بھائی تھے۔ اور جتنے جتن میں نے اس کی آپ سے دوستی کرانے کے لئے کئے تھے وہ آپ کو بھی نہیں پتہ۔ اور آپ......''
''لیکن میں یہ ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ اس نے یہ انتہائی قدم میری وجہ سے اٹھایا ہے۔ محض چند باتوں اور وعدوں سے وہ اس حد تک آ گئی کہ اپنی جان دے دی۔'' میں حد درجہ مشتعل ہو اٹھا۔ بلال نے

یکبارگی میرے شانے پر ہاتھ سے دباؤ ڈالا تو میں لب بھینچ کر خود پر قابو پانے لگا۔

''اسے محبت کہتے ہیں، احمر! اسی کو محبت کہتے ہیں۔'' وہ بہت ٹھہرے ہوئے انداز میں بولا تو میں چند لمحے اسے دیکھتے رہنے کے بعد گہری سانس لے کر دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس پل حقیقتاً مجھے اپنا ذہن بالکل خالی ہوتا محسوس ہوا تھا۔



سارا دن بلال کے ساتھ آوارہ گردی میں گزار کر میں گھر آیا تو سیدھا بیٹھک کی طرف بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد بلال کھانے کے لئے مجھے بلانے آیا تو میں نے انکار کر دیا۔ درحقیقت میں اس وقت نیا کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔

میرے انکار کے جواب میں پریشان سی ممانی جان چلی آئیں۔

''بس یونہی باہر سے اتنا کچھ کھا لیا تھا ہم نے۔'' میں ٹھیک سے بہانہ بھی نہیں بنا پایا۔

''مگر بلال تو کھانے پر موجود ہے۔'' وہ مجھے لے بغیر ٹلنے والی نہیں تھیں۔

''وہ تو جہاں بھی کھانا ہو، وہاں موجود ہو سکتا ہے۔ مگر مجھے اپنی صحت عزیز ہے۔''

میں بظاہر بہت شگفتگی سے انہیں بہلا رہا تھا۔ درحقیقت مجھے صرف تنہائی چاہیے تھی۔

''باہر کی چیزیں کھانے سے کیا خاک صحت بنے گی؟'' وہ خفگی سے بولیں۔ ''اب دودھ پیے بغیر مت سونا۔''

''ممانی جان! اتنی گرمی میں دودھ؟'' میں نے سر کھجایا تو وہ مجھے گھورنے لگیں۔

''ایسا ہوا نہیں، ٹھنڈا ہی ہوگا۔''

''اوکے۔'' میں نے مسکرا کر شانے جھٹکے تو وہ مطمئن سی پلٹ گئیں۔

میں کرسی گھسیٹ کر پنکھے کے عین نیچے بیٹھ گیا۔ ٹانگیں پھیلا کر سر بیک سے ٹکا کر میں نے سلگتی آنکھیں موند لیں۔

'اتنا اعتبار کیوں تھا اسے مجھ پر؟ کیا وہ اس قدر انجان تھی کہ کھوٹے اور کھرے کی پہچان نہیں کر پائی؟'

میری سوچیں بہت تھکی تھکی سی تھیں۔ سارا دن بادل کے ساتھ گزارنے کے باوجود میں نیا کی تلخ کلامی اور اجنبی سے انداز کو نہیں بھولا تھا۔ وہ اب مجھے اپنا بھائی ماننے سے بھی انکاری تھی۔ کتنے اجنبیت بھرے انداز میں اس نے جتلا دیا تھا کہ وہ اپنی دوست کے ساتھ ساتھ اپنا بھائی بھی کھو چکی ہے۔ میں نادان تو نہیں تھا کہ اس کا اشارہ نہ سمجھ پاتا۔

میں کس قدر خوش تھا۔ چار سالوں کے بعد پھر سے اپنی پسندیدہ جگہ اور پسندیدہ ترین لوگوں میں کچھ وقت گزارنے کے خیال ہی نے مجھے بے حد پُرجوش کر رکھا تھا۔

اور اب......؟

ابھی تو فقط دوسرا ہی دن تھا اور یہ کیسی آگہی کی ہوا چلی تھی، جس میں اتنی تپش تھی کہ سب کچھ جھلس کر رہ گیا تھا۔ میری بند پلکوں تلے کسی کا سراپا مجسم ہونے لگا۔

''ہم ایک آئیڈیل لائف گزاریں گے مہروا'' میں نے دو سیاہ آنکھوں کو ایک بہت خوب صورت خواب دکھایا تھا۔

جواب میں اس کے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے کچھ کہا نہیں، فقط ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''پتہ ہے مہروا جب پہلی بار تم مجھے اچھی لگیں تو مجھے بہت حیرت ہوئی کہ کوئی اتنے فضول سے حلیے کی لڑکی مجھے کیسے پسند آسکتی ہے؟ لیکن یہ محبت ہوتی ہے جو دروازہ نہیں کھٹکھٹاتی بلکہ ہر دل میں دندناتی ہوئی گھستی چلی آتی ہے۔ اور اب، تم سے خوب صورت تو روئے زمین پر کوئی نہیں ہے مہروا!''

میں سرتوڑ کوشش کر رہا تھا کہ اسے دیوانگی کی حد تک لاسکوں۔ وہ بس محجوب سی مجھے دیکھ کر اپنی کلائی میں پڑی چوڑیوں کو انگلی سے چھیڑنے لگی۔ تب میں نے بھی اسی کے انداز میں اس کی چوڑیوں کو چھیڑا تھا۔

اپنے وجود میں خفیف سی سنسنی محسوس کرتے ہوئے میں نے آنکھیں کھول دیں۔ باہر کے حبس سے زیادہ اندر کے حبس نے مجھے پسینے میں تر بتر کر دیا تھا۔ اور اب وہ سراپا منوں مٹی تلے دفن ہے۔ میرے

خوابوں میں بسنے کا دعویدار وجود، اب کسی قبر کا مکین ہے۔

مرد ہونے کے باوجود یہ احساس ندامت اور شدید ترین احساس جرم تھا، جو مجھے وحشتوں میں دھکیل رہا تھا۔

''یوں اندھیروں میں کیوں غرق ہو رہے ہو؟''

بلال نے کہتے ساتھ ہی لائٹ جلا دی تو میں سیدھا ہو کر چہرے پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

''یہ گھلنے کی تیاری کیوں ہو رہی ہے بھائی؟'' وہ مضحکہ خیز انداز میں کہتا کرسی گھسیٹ کر میرے مقابل بیٹھ گیا تو میں نے سرخ ہوتی آنکھیں اس پر جما دیں۔ میری الجھی بکھری حالت اسے میرے اندر کا پتہ دے گئی تھی۔ اس لئے وہ بھی سنجیدہ ہو گیا۔ قدرے توقف کے بعد وہ بولا۔

''دیکھو احمر! جو ہو گیا، سو ہو گیا۔ اب لکیر پیٹنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ نیا کا کیا ہے۔ اسے تو ذرا ذرا سی بات دل پہ لینے کی عادت ہے۔ مگر تمہیں یہ سب خود پر طاری کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ سب ایک مذاق تھا۔ فارگیٹ اٹ اینڈ انجوائے یور لائف۔''

''وہ مذاق تھا۔ مگر یہ سب مذاق نہیں ہے۔'' میں بھنچے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''وہ مجھے قاتل بنا رہی ہے۔ اس جرم کا مجرم بنا رہی ہے جو کہ میں نے کیا ہی نہیں ہے۔''

''تو پھر تم کیوں ٹینشن لے رہے ہو؟ نیا جو بکواس کرتی ہے اسے کرنے دو۔'' اسے واقعی غصہ آ رہا تھا ورنہ وہ کبھی نیا کے لئے ایسے الفاظ استعمال نہیں کرتا تھا۔ اس کی بات پر میں چپ رہ گیا۔ اب یونہی کیسے کہہ دیتا کہ اپنے ہی الفاظ مجھے مجرم ٹھہرا رہے تھے۔ وہ گزرے ہوئے لمحات، جب جب میں نے اسے لفظوں کے جال میں پھانسنے کی کوشش کی تھی۔

''فارگیٹ اٹ یار!'' بلال قدرے جھنجلا سا گیا۔ ''سبھی لڑکے ایسی حرکتیں کرتے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اور نہ ہی تم نے ایسا کچھ نیا کیا ہے۔ تم نے تو پھر بھی بات مذاق کی حد تک رکھی تھی، لوگ تو حدود قیود کا بھی خیال نہیں کرتے۔ اور پھر ضروری تو نہیں کہ اس نے تمہاری وجہ سے خودکشی کی ہو۔ لڑکیوں کے اور بھی کئی مسائل ہوتے ہیں۔''

وہ مجھے سمجھا رہا تھا۔ مگر اس کے لہجے اور لفظوں کی کمزوری سے میں بھی واقف تھا اور وہ خود بھی۔ مگر اب خود کو فریب دینے کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

چھت پر سونے کے لئے جاتے ہوئے ممانی جان نے نمیں دودھ پینے کے لئے روکا تو میں بلال کو اشارہ کر کے وہیں روکتا خود اوپر چلا آیا۔
سونے سے پہلے بلال یونہی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا تھا اور میں نے بھی خود کو پوری طرح اس کی طرف متوجہ کیے رکھا۔ کچھ بھی ہوا، اس ذہنی پراگندگی سے تو میں بھی آزادی چاہتا ہی تھا۔
اگلی صبح تک میں واپسی کا ارادہ کر چکا تھا۔ ناشتے کے بعد میں ممانی جان کے پاس بیٹھا یہی باتیں کر رہا تھا۔ ایک آدھ اچٹتی نگاہ میں باورچی خانے کے دروازے میں کھڑے بلال پر بھی ڈال لیتا تھا، جو سر جھکا تنکے سے زمین کریدتی نیا کو پتہ نہیں کیا سمجھا رہا تھا۔ کبھی کبھار وہ کوئی جواب دے دیتی، ورنہ زیادہ بلال ہی بول رہا تھا۔
ممانی جان سے میں نے اِدھر اُدھر کے ڈھیروں بہانے کیے، پھر بھی وہ مطمئن نہیں ہو رہی تھیں۔ مگر میں جانتا تھا کہ جیسے حالات جا رہے تھے میرا یہاں رہنا ممکن نہیں تھا۔ خود مجھے بھی یہاں کی فضا بہت بوجھل لگ رہی تھی۔ کیونکہ میرے اندر کا موسم اچھا نہیں تھا۔
ممانی جان کسی طور پر میری واپسی کا نہیں مانیں تو میں اٹھ کر بیٹھک میں آ گیا۔ اور کچھ نہیں سوجھا تو یونہی وقت گزاری کے لئے میں اپنے کپڑے اکٹھے کر کے بیگ میں ڈالنے لگا۔ خیال یہی تھا کہ ماموں جان سے اجازت لے کر یہاں سے نکل پڑوں گا۔ اب نیا تو وہ رہی نہیں تھی کہ جس کی ضد کی توقع میں کرتا۔
کھٹکے کی آواز پر میں یہی سمجھا کہ بلال ہو گا۔ شرٹ تہ کر کے بیگ میں ٹھونستے ہوئے میں نے ایک نگاہ دروازے پر ڈالی تو وہاں نیا کھڑی تھی۔ میں پھر سے اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ ٹیبل پر سے شیونگ کا سامان اٹھا کر کے میں پلٹا تو میں نے دیکھا کہ نیا نے میرے بیگ میں سے سارے کپڑے نکال کر کرسی پر ڈھیر کر دیئے تھے۔ میں کچھ کہے بغیر شیونگ کا سامان بیگ کے سائیڈ والے خانے میں رکھنے لگا۔
''آپ ابھی تک بالکل ویسے ہی ہیں۔''
وہ یکلخت میرا ہاتھ تھام کر رو دی۔
''آپ کو اتنا بھی احساس نہیں کہ ناراض بہن کو کیسے منایا جاتا ہے۔ اس کے بجائے خود منہ پھلا کے ناراض ہو کے یہاں سے جا رہے ہیں۔ آپ ہمیشہ سے ایسے ہی کرتے آئے ہیں۔''
اس کی اس حرکت پر یک لخت ہی میں نے خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کیا تھا۔ دوسرا ہاتھ میں نے اس کے سر پر رکھا تو وہ میرے شانے سے لگ گئی۔ بے پناہ خوشی نے مجھے گھیر لیا تھا۔

''آئی ایم سوری، احمر بھائی! میں نے بہت بدتمیزی کی آپ کے ساتھ۔''

مجھے اپنے تپتے سلگتے دل پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے پڑتے محسوس ہوئے تھے۔ وہ جو رشتہ بھول رہی تھی، اب اسے یاد آ گیا تھا۔

''اٹس اوکے۔'' میں نے اس کا سر تھپتھپا کر گویا اسے تسلی دی۔ ''میں بہت ڈھیٹ ہوں۔ اتنی سی بدتمیزی میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔''

دروازے میں کھڑے بلال نے انگلیوں سے وکٹری کا نشان بنایا تو میں نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

اس رات ہم نے چار سالوں کی باتیں کر ڈالیں۔ ساری رات ہم تینوں نے جاگ کر گزار دی۔ تب باتوں ہی باتوں میں بات نویلہ حسن تک جا پہنچی تو نیا چپ سی ہو گئی۔ میں خود بھی مجرمانہ انداز میں بات بدل گیا۔ مگر اس ایک پل کا تاثر کتنی ہی دیر تک قائم رہا۔ شاید مجھے نیا کے سامنے نویلہ کا ذکر کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے تھا۔

نیا یاد دلی تھی، گھر کا ماحول پھر سے شگفتہ ہو گیا تھا۔ بلال کی چھیڑ چھاڑ پر وہ شرمائی لجائی اتنی اچھی لگتی تھی کہ میں بھی بلال کے ساتھ مل کر اس کی ناک میں دم کر دیتا۔ وہ تنگ آ کر مامی جان کی پناہ میں جا چھپتی تھی۔

یہ ہفتہ بھر کے بعد کی بات ہے۔

مجھے نہیں معلوم کہ کس احساس کے تحت میری آنکھ کھلی تھی۔ مگر جاگنے پر مجھے احساس ہوا کہ سفید رنگ کی بلی میرے پائنتی بیٹھی ہوئی تھی۔

وہ ایک پل کی بات تھی مگر بالکل سچ تھی کہ اس بلی پر نظر پڑتے ہی میرے ذہن میں مہرو کا نام گونج سا گیا تھا۔ میں اٹھ کر بیٹھا تو مانو پلنگ سے اتر کر بھاگی اور پچھلی دیوار پر جا چڑھی، جس کے پار خالہ زرینہ کی چھت تھی، جہاں سے کتنی ہی بار میں مہرو سے باتیں کیا کرتا تھا۔ میں نے گہری سانس لے کر پھر سے لیٹنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ میں ساکت رہ گیا۔ یہ شاید الوژن تھا یا شاید حقیقت مگر چھوٹی سی اس دیوار کے پار جو چہرہ میں نے دیکھا تھا، وہ حقیقتاً مہرو کی تھی...... وہی مہرین علی عباس۔ اس نے میری طرف بس ایک نظر دیکھا تھا اور اس کی اس ایک نظر میں بے حد نفرت تھی۔

پل بھر میں میرا وجود پسینے میں بھیگ گیا۔ میں نے بے اختیار انگلیوں سے آنکھوں کو دبایا اور سر جھٹک کر پھر سے دیوار کی طرف دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ مہرو اور نہ مانو۔ ایک ہلکے سے خوف نے مجھے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

تصور اتنا پاورفل نہیں ہو سکتا۔
وہ واقعی مہرو تھی۔
اور یہ یقین اتنا زور آور تھا کہ میں بے اختیار پلنگ پر سے اترا اور ننگے پاؤں چلتا دیوار تک آیا۔ مگر دوسری طرف ویران چھت تھی۔ چاند کی روشنی میں ہر شے صاف دکھائی دے رہی تھی۔ جبکہ ان کا صحن دوسری طرف تھا۔ ورنہ شاید میں وہاں بھی جھانک ہی لیتا۔
'یہ ایسی خود پر طاری کرنے والی بات تو نہیں ہے۔' میں نے واپس آ کر بستر پر لیٹتے ہوئے خود پر باور کرایا مگر جب تک مجھے نیند نہیں آ گئی مہرو کی وہ پُر نفرت نظر مجھے یاد آتی رہی تھی۔
صبح میں اٹھا تو وہ واقعہ میرے ذہن سے محو ہو چکا تھا۔ میں کوئی گاؤں کا بے وقوف سا بندہ تو تھا نہیں کہ بھوت پریت یا روحوں کے چکروں میں پڑ جاتا۔ شاید اسی وجہ سے وہ واقعہ مجھے یاد نہیں رہ سکا۔
موسم قدرے اچھا تھا۔ یہ بلال ہی کا آئیڈیا تھا کہ کہیں سیر و تفریح کے لئے جانا چاہئے۔ گرمیوں کا موسم ہو، آسمان آگ کے بجائے ٹھنڈی ہوا برسا رہا ہو تو تفریح کے لئے آموں کے باغ سے اچھی جگہ کون سی ہو سکتی ہے؟
چوہدریوں کے ساتھ ماموں جان کی اچھی خاصی دوستی بلکہ گھریلو روابط تھے اسی لئے ہمیں باغ میں جانے کے لئے کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ویسے تو وہاں کے چوکیدار بابا محمد دین کے ساتھ میری خاصی جان پہچان تھی۔ وہ بھی مجھے فوراً پہچان گیا۔
''آپ تو سرکار! پہلے بھی بہت آئے ہوا دھر۔''
نیا اور بلال آگے تھے شاید۔ سن نہ پائے ہوں مگر مجھے اپنی پیشانی پر پسینے کے قطرے رینگتے محسوس ہونے لگے۔ میں بمشکل ہونٹوں پر مسکراہٹ جمائے آگے بڑھا تھا۔
ہم لوگ کتنی ہی دیر وہاں گھومتے رہے۔ بلال بہت خوش تھا۔ اتنے عرصے کے بعد اسے کھل کر نیا کے ساتھ وقت گزارنے اور باتیں کرنے کا موقع ملا تھا۔ میں ان دونوں کے بیچ میں چل رہا تھا۔ بلال مسلسل بول رہا تھا اور ہمیشہ کی طرح بہت دلچسپ باتیں کر رہا تھا۔ مگر میرا دل مسلسل بے کلی کی زد میں تھا۔ ورنہ میں بھی ہمیشہ کی طرح بلال کا ساتھ دیتا اور نیا کو تنگ کر کے لطف اندوز ہوتا۔ مگر پتہ نہیں، کیا

بات تھی کہ مجھے ہر چیز سے دل اٹھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور اس کی وجہ مجھے خود بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔
مجھے یادوں کا ہجوم گھیرنے لگا تھا۔
ایک کھلکھلاتی ہوئی ہنسی میری سماعتوں میں گونجنے لگی تو میں نے سر جھٹک کر خود کو حال میں رکھتے ہوئے اپنی تمام تر توجہ بلال کی طرف مرکوز کرنے کی کوشش کی اور بمشکل اس کوشش میں کامیاب ہو پایا۔
کافی دیر چہل قدمی کرنے کے ساتھ ساتھ ہم باتیں کرتے رہے۔ چوکیدار خود میں اچھی قسم کے آم دھو کر دے گیا تھا، جن کے ساتھ ہم نے خوب انصاف کیا۔ مجموعی طور پر وہ ایک بہت اچھا دن گزر رہا تھا۔
دوپہر کے کھانے کے بعد ہم ممانی جان کے ساتھ بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے، جب میرا موبائل بج اٹھا۔
نمبر سے مجھے پتہ چل گیا کہ کال نویلہ حسن کی تھی۔ میں چارپائی سے اٹھ کر برآمدے کی طرف آ گیا۔
''کتنے برے ہو تم، احمر! نہ کوئی فون، نہ خبر۔ شرم نہیں آتی تمہیں؟'' وہ میری آواز سنتے ہی شروع ہو گئی۔ میں ہنس دیا۔
''آ رہی ہے۔ اب تمہاری آواز سن کر آ رہی ہے۔''
''پتہ ہے اتنی مشکلوں سے کنکیٹ ہوا ہے تم سے۔ تمہارا موبائل کوئی ریسپانس ہی نہیں دے رہا تھا۔ کیوں آف رکھتے ہو؟'' وہ ہمیشہ کی طرح میری بات نہیں سن رہی تھی۔
''اوہو، یار! بیٹری ڈاؤن ہو رہی تھی اور چارج کرنے کا دھیان نہیں رہا۔ اینی وے، اب تو رابطہ ہو چکا ہے۔ ناراضگی چھوڑ دو۔'' میں نے بات کرتے کرتے انکھیوں سے درخت کے نیچے بیٹھے بلال اور نیا کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں چاہے خود کو جتنا بھی پوز کرتے، مجھے علم تھا کہ وہ میری طرف بھی متوجہ تھے خصوصاً نیا۔
''تم کب آ رہے ہو؟ بہت بوریت ہو رہی ہے۔ سارا گروپ مرجھایا ہوا بیٹھا ہے۔'' وہ بہت اکتائے ہوئے انداز میں کہہ رہی تھی۔
''ابھی تو آیا ہوں۔ فی الحال تو کافی دن رہنے کا پروگرام ہے۔'' میں نے ایمانداری سے بتایا تو وہ چلا اٹھی۔
''کوئی ضرورت نہیں ہے، بہت سے دن رہنے کی۔ میں یہاں اکیلی سڑ رہی ہوں اور تم وہاں انجوائے کرتے پھر رہے ہو۔''

میں ہنسنے لگا۔
''سوری بھئی۔ میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ تم جانتی ہو نا، کہ میں چار سالوں کے بعد آیا ہوں۔ اب اتنی جلدی تو نہیں آؤں گا۔''
''مائی گاڈ!'' اس نے گہری سانس لی۔ ''پکے احمق ہو تم، احمر نواز!''
''اس تعریف کا شکریہ۔'' میں نے مسکراہٹ دبائی تو وہ پوچھنے لگی۔
''موسم کیسا ہے وہاں کا؟''
''آج کل تو بہت عاشقانہ پلس مستانہ ہو رہا ہے۔''
''یعنی کہ میں آجاؤں۔'' وہ دلکشی سے ہنسی تو میں گڑبڑا گیا۔
''ہیں......تم؟''
''ہاں۔ میں سوچ رہی ہوں کہ وہاں آجاؤں۔ تمہارا لِونگ اسٹائل دیکھوں تاکہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر سکوں۔''
''شٹ اپ!'' اس کے انداز میں شرارت محسوس کر کے میں نے بے تکلفانہ سے جھاڑا تو وہ اپنے مخصوص انداز میں ہنسنے لگی۔
''بتاؤ نا پھر۔ میں بھی آجاؤں؟ تمہارے ماموں، ممانی مائنڈ تو نہیں کریں گے؟''
''ارے نہیں۔ ان کی پرابلم نہیں ہے۔'' میں سنجیدہ ہو گیا۔
درحقیقت میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ یہاں آئے۔ پہلے ہی ماحول بہ مشکل کنٹرول میں آیا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ نیا پھر سے ٹینشن کا شکار ہونے لگے اور نہ ہی میں یہ چاہتا تھا کہ کسی فضول بات کی بھنک بھی نویلہ حسن کو پڑے۔

''اوکے، پھر میں آرہی ہوں'' وہ طمانیت سے بولی تو میں نے اسے منع کردیا۔

''کوئی فائدہ نہیں یار! تم کہاں رہ پاؤ گی یہاں؟ دو ہی دن میں خود بھی بھاگو گی اور مجھے بھی تنگ کرو گی۔''

''مجھے نہیں پتہ۔ تم خود ہی تو کہہ رہے ہو کہ موسم اچھا ہو رہا ہے۔ اور میں نہیں چاہتی کہ اتنے رومانی موسم میں تم میرے بغیر رومانٹک ہوتے پھرو۔ تم بس مجھے ایڈریس سمجھاؤ'' وہ اٹل انداز میں کہہ رہی تھی۔ ضد تو اس میں کوٹ کوٹ کے بھری تھی۔ میں اسے سمجھانا بے سود جان کر اسے ایڈریس بتانے لگا۔ ویسے بھی کوئی اتنا لمبا چوڑا فاصلہ تو تھا نہیں۔

''ڈرائیور کے ساتھ آؤ گی تو بہت آسانی رہے گی۔''

''اوکے۔'' وہ سر تسلیم خم کرتی ہوئی بولی تو مسکراہٹ میرے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

''آئی ریئلی مس یو، اہم!''

''می ٹو'' میں نے بھی اعتراف کیا تو وہ خوش ہو اٹھی۔

اِدھر اُدھر کی چند باتوں کے بعد اس نے فون بند کیا تو میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ مجھے اپنا آپ بہت تر و تازہ محسوس ہونے لگا تھا اور یہ ایک بہت خوش گوار تبدیلی تھی۔

نویلہ حسن جیسی لڑکی کی دوستی اور پھر دلی لگاؤ، کوئی عام بات نہیں تھی۔ وہ ہماری یونیورسٹی کی بیوٹی کوئین ہونے کے ساتھ ساتھ بہت لئے دیئے رہنے والی مغرور اور منہ پھٹ سی لڑکی تھی۔ لڑکوں کو تو وہ کچھ گردانتی ہی نہیں تھی۔ امیر گھرانے کی اکلوتی اولاد ہونے کے باعث وہ خاصی بگڑی ہوئی بچی تھی

جانے اسے مجھ میں کیا اچھا لگا، جو بہت تیزی سے ہمارے مابین پہلے دوستی اور پھر دلی لگاؤ پروان چڑھا تھا۔ مگر یہ بھی حقیقت تھی کہ اب میری طبیعت میں بہت دھیما پن اور میچورٹی آ گئی تھی۔ جس کی وجہ سے میں بہت تحمل سے نویلہ کا غصہ اور بچپنا پن برداشت کر لیتا تھا۔ اس کی ضد کو میں نے کبھی ٹالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ اگر آدھی رات کو بھی فون کر کے مجھے برگر یا آئس کریم کھلانے کو کہتی تو میں اسی وقت گاڑی لے کر نکل پڑتا۔

شاید اسی کو محبت کہتے ہیں!

یہ بھی ایک حقیقت ہی تھی کہ مجھے ابھی تک علم نہیں ہو سکا تھا کہ محبت اگر ہو جائے تو کیسے پتہ چلتا ہے؟ کبھی کبھار میں خود بھی جھنجلا سا جاتا تھا کہ مجھے کوئی فیلنگز کیوں نہیں ہوتیں؟ اگر محبت تھی تو یہ اپنا آپ محسوس کیوں نہیں کراتی تھی۔ ہاں، ایک اطمینان سا ضرور تھا کہ زندگی بہت سبک روی سے رواں دواں تھی اور اس میں نویلہ حسن جیسی خوب صورت اور پڑھی لکھی لڑکی کا ساتھ مجھے حاصل تھا۔ زندگی میں اور کیا چاہیے ہوتا ہے۔

میں موبائل آف کرتا ان کی طرف آیا تو بلال استفہامیہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ پہلے تو میں نے اُسے اکیلے میں بتانے کا سوچا، پھر مجھے خیال آیا کہ میں خود بات کروں تو اس سے میرے لیے بھی ماحول کو سمجھنے میں آسانی ہو گی۔

''نویلہ کا فون تھا۔'' میں نے مختصر بتایا تو ممانی جان اس کے بارے میں پوچھنے لگیں۔

''میری کلاس فیلو تھی، ممانی جان! وہ یہاں آنا چاہتی ہے۔''

''ہاں، ہاں......ضرور آئے بیٹا!'' وہ خوش ہوئیں۔ پھر پوچھنے لگیں۔

''وہ یہاں کی گرمی سہہ لے گی؟''

''میں سہہ لیتا ہوں تو وہ بھی سہہ لے گی، ممانی جان!'' وہ خوش دلی سے مسکرایا تو وہ سادگی سے بولیں۔

''تم تو محبت میں سہتے ہو، بیٹا! یہی تو محبت کی پہچان ہے۔''

میں ٹھٹکا تھا۔

''یہ کیسے محبت کی پہچان ہے؟''

"کہتے ہیں کہ آزمائش ہی محبت کی سب سے بڑی پہچان ہوتی ہے۔ جو آدمی کو یا تو کندن بنا دیتی ہے یا پھر راکھ۔" نیا کا انداز بھی بہت عام سا تھا مگر مجھے بہت محسوس ہوا۔
"بہر حال، پرسوں آرہی ہے وہ۔"
میں نے فوراً ہی بات ختم کر دی اور موضوع بھی بدل دیا۔ نیا کی ساری خوشگواریت اب خاموشی میں بدل چکی تھی۔ مگر میں بھی دانستہ اسے نظر انداز کیے رہا۔ کچھ بھی ہو، میں پھر سے وہی بوجھل اور پریشان سا ماحول پیدا نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔



تیسرے روز نویلہ پہنچ گئی تھی۔
ممانی جان اور نیا اس سے بہت اچھی طرح ملیں، جس کی مجھے بہت خوشی ہوئی۔ ہم سب بیٹھک میں آ بیٹھے۔ نیا ٹھنڈی پیپسی لے آئی، جو کہ ماموں جان اسٹور سے لائے تھے۔ میں بلال کے ساتھ صوفے میں دھنسا ہوا تھا۔ ماموں جان تھوڑی دیر کے بعد اٹھ کے چلے گئے۔
"تم تو کہہ رہے تھے کہ موسم بہت اچھا ہے۔ لیکن یہاں تو بہت گرمی ہے۔" نویلہ تو یوں بھی لگی لپٹی رکھنے کی قائل نہیں تھی۔ مجھے گھورتے ہوئے بولی۔
"آج کل تو موسم اچھا ہو رہا ہے۔ چند روز پہلے تو شدید گرمی تھی۔" ممانی جان نے میری جان بخشی کرانی چاہی۔ اب انہیں کیا معلوم کہ اس کا اسٹائل ہی یہی ہے۔
"تمہی کو شوق ہوا تھا، ایڈونچر کا۔ اب بھگتو۔" میں آرام سے بولا تو وہ مجھے گھور کر پیپسی کے گھونٹ بھرنے لگی۔ مگر میں دیکھ رہا تھا کہ وہ یہاں آ کر خوش نہیں ہوئی تھی، جس کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی کہ اس میں ایڈجسٹمنٹ کی خوبی بالکل بھی نہیں تھی۔ وہ اسی ماحول میں رہنے کی عادی تھی، جس میں وہ رہتی آئی تھی۔ اسی لیے وہ بڑے ناقدانہ انداز میں کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔
"اٹھو احمر! کہیں باہر چلو۔ یہاں تو شدید گھٹن اور حبس ہو رہا ہے۔"
پیپسی ختم کرتے ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تو سب کی نگاہوں میں تحیر محسوس کرتے ہوئے میں خوامخواہ ہی نروس ہونے لگا۔ مگر بھلا ہو نیا کا، وہ میرے کچھ بولنے سے پہلے ہی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''یوں کریں، برآمدے میں ایئر کولر چلا کر بیٹھ جائیں۔ یہاں تو واقعی گرمی ہو رہی ہے۔'' اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے میں بھی خاموشی سے باہر آ گیا۔ مگر مجھے یہ احساس بھی شدت سے ہو رہا تھا کہ نویلہ کو یہاں آنے کی اجازت دے کر میں نے غلطی کی تھی۔ جو چند پل میں گھبرا گئی تھی، وہ چند دن کیسے گزار سکتی تھی؟ تب مجھے ممانی جان کی بات یاد آئی تو میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
محبت........ یقیناً میری محبت اسے یہاں رکنے پر مجبور کرے گی۔ اگر میں آدھی رات کو اس کے ایک فون پر بھاگ سکتا تھا تو وہ بھی تو میری خاطر میری پسند کے ماحول میں رہ سکتی تھی نا۔ جس میں ناپسندیدہ تو اس کے لئے بھی کچھ نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ یہاں بے پناہ آسائشیں نہیں تھیں۔ بہر حال، اگر میں رہ سکتا تھا تو اسے بھی رکنا ہی چاہئے تھا۔ آخر کو یہ تمام عمر کے رشتے ناتے تھے۔
رات کا کھانا کھانے کے لئے بیٹھے تو دفعتاً لائٹ چلی گئی۔
''اوہ نو۔''
نینا نے جلدی سے کینڈل جلا کر ہماری میز پر رکھی اور خود لالٹین جلانے لگی۔ نویلہ بڑی بیزاری سے یہ سارا عمل دیکھ رہی تھی۔ میں نے اندھیرے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے پیر پر اپنا پیر رکھ کر دبایا۔ اس کے متوجہ ہونے پر میں آہستہ سے بولا۔
''اٹس اوکے۔''
وہ سر ہلا کر بے دلی سے مسکرا دی۔ میں خوش تھا کہ میری خاطر وہ ان تمام باتوں کو برداشت کر رہی تھی، جو اس کے مزاج کے مطابق ناگوار تھیں۔ میں بھی مائنڈ کرتا اگر میں اس کی فطرت سے واقف نہ ہوتا۔ ممانی جان کے ہاتھ کا ذائقہ نینا کو بھی ورثے میں ملا تھا۔ سو نویلہ بھی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکی۔
''چلو، کہیں باہر چلیں۔''
نویلہ گھومنے پھرنے کی شوقین بلکہ عادی تھی، اس لئے بار بار بے چین ہو رہی تھی۔
''باہر کو دفع کرو، چھت پہ چل کے چہل قدمی کرتے ہیں اور باتیں بھی۔'' ممانی جان کے اٹھتے ہی میں نے آئیڈیا دیا تو وہ دانت پیس کر بولی۔

''کتنے بور ہو گئے ہو تم۔''

''کم آن، نویلہ! یہ ہمارا شہر نہیں ہے کہ بارہ ایک بجے بھی جاؤ تو پورا بازار کھلا ملتا ہے۔ یہاں تو آس پاس فقط کھیت ہی ہیں۔ البتہ کچھ دور بازار ہیں جہاں فقط اسٹورز ہیں یا پھر اسپیئر پارٹس کی دکانیں ہیں یا چند ایک اور مصنوعات کی۔''

میرے سمجھانے پر وہ گہری سانس لے کر بولی۔

''یہ سب تو میں نے آتے ہی دیکھ لیا تھا۔ یہاں زندگی بہت مشکل ہے۔''

بلال کے آنے پر بات ادھوری چھوڑ کر وہ مسکرائی۔

''تمہارا کزن بہت اچھا ہے۔ اور اسمارٹ بھی۔''

میں مصنوعی غصے سے اسے گھورنے لگا جب کہ بلال شرارت سے سرخم کر کے بولا۔

''تعریف کا شکریہ۔'' بلال ہنسا تو وہ بھی ہنسی۔ میں گہری سانس لے کر بلال کی طرف متوجہ ہوا اور اسے آفر کی۔

''چلو چھت پہ اسے ٹہلنے کا شوق ہو رہا ہے۔''

''نہیں یار! تم لوگ ابھی چلو۔ چچا جان کو کچھ سامان منگوانا ہے اس کی لسٹ بنانی ہے۔'' وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولا۔

''ایسی بھی کوئی جلدی نہیں۔ تم کام ختم کر کے آؤ، پھر اکٹھے چلتے ہیں۔'' میں دوبارہ کرسی میں دھنس گیا۔ میں اکیلے میں نویلہ کو لے کر جانا نہیں چاہتا تھا۔

یہ ٹھیک تھا کہ ہمارے اور ماموں جان کے رہنے سہنے کے انداز میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ یہی نویلہ تھی جو بڑی بے تکلفی سے آدھی رات تک تنہا میرے ساتھ گھومتی رہتی تھی۔ اکثر اوقات وہ مجھے ملنے آتی اور میں بیڈ روم میں ہوتا تو وہ سیدھی وہیں چلی آتی تھی اور میں بھی اسے برا نہیں سمجھتا تھا۔ لیکن یہاں کی بات اور تھی۔ ایک تو ماموں جان کا احترام اور دوسرے نیا بھی تھی۔ مجھے اچھا نہیں لگا کہ میں اتنی آزاد

روی کا مظاہرہ کروں۔

بلال کے جانے کے بعد وہ مجھ سے اُلجھ پڑی۔

''کیا ہم اکیلے میں کچھ باتیں نہیں کر سکتے؟''

''یہاں تو کم از کم نہیں کر سکتے۔''میں اس کے تاثرات سے محظوظ ہوا۔

''کیوں...... یہاں کیا پابندی ہے؟''وہ تیکھے انداز میں بولی تو میں نے اسے سمجھانے والے انداز میں بتایا۔

''اچھا نہیں لگتا، یار! تم اور میں چھت پر چڑھ کر آزادی سے گھومیں پھریں۔''

''وہاٹ؟''وہ حیرت اور بے یقینی سے چلا اٹھی۔''تم پاگل تو نہیں ہو گئے؟''

''آہستہ۔''میں نے اسے ٹوک دیا۔

''احمر! تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے؟ کوئی ہمیں کیوں منع کر سکتا ہے؟''وہ میری احتیاط کی طرف توجہ دیئے بغیر اسی انداز میں بولی تو میں آرام سے بولا۔

''منع تو کوئی نہیں کرے گا، مگر خود کو تو شرم چاہیے ہوتی ہے نا۔''

میری باتوں پر چند لمحوں کے لئے وہ چپ رہ گئی، پھر بے یقینی سے بولی۔

''ڈونٹ ٹیل می احمر، اٹس یو؟ اتنے پرہیزگار کب سے ہو گئے ہو؟''

''پلیز ہنویلا!''میں زچ ہو گیا۔''تم خوامخواہ بات کو طول دے رہی ہو۔ کہہ تو رہا ہوں کہ ہر جگہ اتنی آزادی کو اچھا نہیں سمجھا جاتا۔''

''یوں کہو نا کہ دقیانوسی لوگ ہیں یہ۔''وہ اپنے مخصوص اکتاہٹ بھرے انداز میں بولی تو پہلی مرتبہ مجھے غصہ آنے لگا۔

''وقیانوسی ہی کہہ لو۔ سب میں بیٹھ کر بے تکلفی سے باتیں کرنا اور بات ہے۔ مگر یوں اکیلے میں، سب کے سامنے اٹھ کر جانا مجھے اچھا نہیں لگے گا۔ یہ لوگ تو چاہے کچھ بھی نہ کہیں۔''
''مجھے واقعی یقین نہیں آ رہا احمر! کہ یہ تم ہی ہو۔''
''تو پھر بتاؤ، تمہیں یقین دلانے کے لئے مجھے کیا کرنا ہوگا؟'' میں شرارت سے کہتے ہوئے اس کی طرف جھکا تو یکلخت ہی اس کا موڈ بھی بدل گیا۔ اس نے مکا بنا کر میرے شانے پر دے مارا۔
''اسٹوپڈ۔''
میں اس کا دھیان بٹنے پر شکر ادا کرتا ہوا ہنسنے لگا۔
بلال آیا تو ہم تینوں چھت پر چلے آئے۔ نیا نیچے بستروں کا اہتمام کرنے میں مصروف تھی۔ لائٹ آ چکی تھی۔ اس لئے نویلا کا موڈ بھی بہتر ہو گیا تھا۔
''تمہاری کزن بھی بہت پیاری ہے۔ معصوم سی۔'' نویلا کم ہی کسی کی تعریف کرتی تھی۔ اب ایک ہی دن میں دو بندوں کی تعریف۔
''اس اعزاز کے لئے بھی شکریہ۔'' بلال پھر سے جھکا تو وہ اسے گھور کر بولی۔
''میں تمہاری نہیں، نیا کی بات کر رہی ہوں۔''
''ایک ہی بات ہے مادام! وہ میری نصف بہتر ہونے والی ہے۔'' وہ مؤدبانہ انداز میں بولا۔ کونونٹ میں پڑھی نویلا حسن نہ سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھنے لگی۔
''کیا مطلب؟''
''اس کا مطلب ہے کہ نصف آدھا آدھا۔ یہ پہلے سے ہے۔ باقی اچھا اس سے شادی کے بعد ہو جائے گا۔'' میں نے مسکرا کر وضاحت کی تو وہ ہنس دی۔
موسم گرما کی رات کے جس میں اس کی ہنسی نے میری سماعتوں پر بہت اچھا تاثر چھوڑا تھا۔
ممانی جان نے آواز دے کر دودھ کے گلاس لے جانے کو کہا تو بلال سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

''دودھ پیو گی؟'' میں نے نویلہ سے پوچھا۔

''اوں، ہوں...... بالکل نہیں۔'' نویلہ نے منہ بنا کر نفی میں سر ہلایا۔

''اپنے اور میرے لئے لے آؤ۔'' میں نے کہا تو بلال معنی خیز انداز میں مسکراتا سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

''اوکے...... تم لوگ اب اطمینان سے باتیں کرو، میں ذرا دیر میں آتا ہوں۔''

اس کے انداز پر مجھے ہنسی آ گئی۔

''تم بھی دودھ پیتے ہو؟'' نویلہ نے حیرت سے پوچھا تو میں نے طمانیت سے اثبات میں سر ہلادیا۔

''آئی ڈونٹ بلیو دس، احمر! وہاں تو تم کیلوریز کو نیٹس کو اوائیڈ کرتے ہو اور یہاں...... میں تو تمہاری کھانے کی اسپیڈ پر بھی حیران ہو رہی تھی۔'' اس نے آنکھیں پھیلائیں تو میں نے ہنستے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ میرے سامنے آ کر جتانے والے انداز میں بولی۔

''اور اب تمہاری شرم کہاں گئی؟''

''تم سامنے ہو تو اور کچھ کہاں یاد رہتا ہے؟'' میں مخمور سے انداز میں بولا تو وہ دلکش انداز میں ہنس دی۔ کافی دیر تک ہم بیٹھے باتیں کرتے رہے۔

''یقین کرو، احمر! میں نے تمہیں اتنا مس کیا کہ حد نہیں۔ جتنے روز سے تم یہاں ہو، تمام ایکٹی ویٹیز ختم ہو گئی ہیں۔ یوں لگ رہا تھا، جیسے کرنے کو کچھ رہ ہی نہیں گیا۔ اسی لئے تو یوں تمہارے پیچھے چلی آئی ہوں۔ ماما تو اجازت ہی نہیں دے رہی تھیں مگر میری ضد تو تم جانتے ہی ہو۔''

وہ میرے شانے پر سر رکھے آنکھیں موندے بوجھل آواز میں کہہ رہی تھی۔ اس کا انداز ہمیشہ کی طرح بے باکانہ تھا۔ میں بھی جذبوں کی اس بارش میں خود کو بھگو دینا چاہتا تھا، جب میری نگاہ سامنے دیوار پر ٹک گئی۔

وہ واقعی مہرو تھی۔

مہرین علی عباس۔
مجھے اپنی پشت پر پسینہ چیونٹیوں کی طرح رینگتا محسوس ہوا۔
سیاہ لباس میں وہ ناقابل بیان تاثرات چہرے پر لئے مجھے گھور رہی تھی۔
مگر اب تو میں اس کے تاثرات کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔
نویلہ میرے ساتھ بلکہ بالکل پاس تھی۔
مجھے انہی نفرت بھری نگاہوں سے دیکھتی وہ دیوار پر سے ہٹی تو میں جیسے ٹرانس سے باہر آیا۔اضطرابی کیفیت میں اٹھ کر میں تیزی سے دیوار کی طرف بڑھا تھا۔
''مہرو!.......مہرو! پلیز، رک جاؤ۔''
میرے بے تاب و بے قرار لہجے میں ہزاروں التجائیں چھپی تھیں۔ میں چاہتا بھی تو خود کو نہیں روک سکتا تھا۔ میں دیوار پر ہاتھ رکھے ایک ٹک خالی چھت کو گھور رہا تھا۔ دل و دماغ بالکل سپاٹ و بنجر زمین بنے ہوئے تھے۔ جہاں تھوڑی دیر پہلے کھلنے والے پھولوں کی خوشبو تھی اور نہ کوئی سرسبز خیال۔
مہرو.......وہ مہرو ہی تھی۔ میرا ذہن یکلخت سنسنا اٹھا۔
''احمر!.......کیا ہو گیا ہے تمہیں؟'' نویلہ متوحش سی میرے پاس آئی۔ میں اپنے حواس میں ہوتا تو یقیناً بات کو لپیٹنے کی کوشش کرتا مگر میں اس وقت خود اپنے اختیار میں نہیں تھا۔ میں نے یونہی کچھ کھوجتے ہوئے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔
''تم نے.......تم نے ابھی یہاں مہرو کو دیکھا تھا؟''
''کک.......کون.......؟'' وہ میری لایعنی گفتگو سے گھبرا گئی۔

''وہ مہر وتھی.......اس نے وہی سیاہ لباس پہن رکھا تھا۔ وہ مہر وہی تھی۔'' میرا ذہن ریکارڈ کی طرح ایک ہی بات پر اٹک گیا تھا۔
مجھے اس بات کا بھی احساس نہیں رہا تھا کہ میں یہ سب کس سے کہہ رہا ہوں۔ اب کی بار گھبراہٹ کے زیر اثر نویلہ نے مجھے جھنجھوڑ دیا۔
''ہوں۔'' میں بے حد چونک کر حواس میں لوٹا تو مجھے احساس ہوا کہ میرا وجود پسینے سے بھیگ رہا تھا۔
''تم ٹھیک تو ہو؟''
''ہاں.......'' میں نے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرتے ہوئے سر کو زور سے جھٹکا۔
''کون تھا وہاں؟....... یہ مہر وکون ہے؟'' نویلہ بہت پریشانی سے پوچھ رہی تھی۔ میں نفی میں سر ہلاتا آگے بڑھ کر پلنگ پر بیٹھ گیا۔
''میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا احمر! تم کیا چھپانا چاہ رہے ہو مجھ سے؟'' وہ تیز لہجے میں بولی تو میں سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔
''کیا تم نے اس چھت پر کسی کو دیکھا تھا؟''
میرے بے حد سپاٹ لہجے پر وہ چند لمحوں تک بے یقینی سے مجھے دیکھتی رہی، پھر نفی میں سر ہلا کر بولی۔
''میری آنکھیں بند تھیں۔''
میرے ذہن میں ابھی تک وہ ناقابل یقین منظر گھوم رہا تھا۔ یہ دوسری بار تھی، جب مہرین علی عباس مجھے دکھائی دی تھی۔ اور یہ کوئی چھوٹی بات نہیں تھی کہ میں سر جھٹک کر بھول جاتا۔
ایک لڑکی، جو مر چکی تھی، اُس کا یوں دکھائی دینا کوئی عام بات نہیں تھی۔ میرا تو دماغ جھنجھنا اٹھا تھا۔
نویلہ میرے سامنے والے پلنگ پر آبیٹھی۔ اُس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔
''احمر! یہ مہر وکون ہے؟''

میں اسے دیکھنے لگا۔ میں نے اس لمحے سے متعلق کچھ نہیں سوچا تھا کہ جب مجھے نویلہ کو یہ سب بتانا تھا۔ پھر بھی میں نے مقدور بھر کوشش کر کے خود کو سنبھالا۔

''وہ لڑکی ہے۔''

''وہی تو میں پوچھ رہی ہوں۔ ایسی کون سی لڑکی ہے؟'' وہ طنزیہ لب ولہجے میں بولی۔

''مہرو۔ دراصل وہ نیا کی سہیلی تھی۔ عام سی لڑکی۔'' میں نے کہنا چاہا مگر وہ بے حد تلخی سے میری بات کاٹ گئی۔

''عام؟........ ہاں، اتنی عام ہوتی تو تم اس کے لئے نویلہ حسن کو یوں جھٹک کر نہ بھاگ اٹھتے۔'' اس کے الفاظ مجھے شاکڈ کر گئے۔

''نویلہ! پاگل ہوگئی ہو؟'' میں بمشکل کہہ پایا۔

''پاگل تو تم مجھے کر رہے ہو، احمر! یہ سب کیا ہے؟ میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتی۔ تم مجھے صاف صاف سب بتاؤ۔'' وہ دھیمے انداز میں چلائی تو میں بے بسی سے سر تھام کر بیٹھ گیا۔

''پلیز نویلہ! مجھ سے ابھی کچھ مت پوچھو۔ پتہ نہیں، میں کیا بکواس کر رہا ہوں۔''

میرے التجائیہ انداز پر وہ کچھ کہے بغیر اٹھی اور تیزی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

چند لمحوں کے بعد بلال دودھ کے گلاس پلیٹ میں رکھے چلا آیا۔

''خیر تو ہے؟ کیا کہہ دیا انہیں؟ میں غصے میں گئی ہیں؟''

اس کے انداز میں تفکر تھا۔ وہ یقیناً نویلہ سے متعلق پوچھ رہا تھا۔ میں سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔ میری آنکھوں میں یقیناً سرخی اتر آئی تھی، جس کی وجہ سے میں آنکھوں میں جلن محسوس کر رہا تھا۔ وہ پریشان سا پلیٹ منڈیر پر رکھ کر میرے سامنے آبیٹھا۔

''کیا ہوا؟''

''میں نے مہرو کو دیکھا ہے۔'' میں سپاٹ انداز میں بولا تو وہ اچھل پڑا۔

''کیا؟......مہرو؟...... مذاق کر رہے ہو؟''

''آج دوسری بار میں نے اسے دیکھا ہے۔ مجھے یوں نہیں لگتا کہ وہ مر چکی ہے۔ بلال! اس کی آنکھوں کی نفرت اس قدر حقیقی تھی کہ میں ساکت رہ گیا۔''

''آئی ڈونٹ بلیوو اِٹ۔ تم نے مہرو کو کیسے دیکھ لیا؟'' وہ پریشان تھا۔ میں نے گہری سانس لے کر جوتے اتارے اور خود کو بستر پر گرا دیا۔

''تم سوچ نہیں سکتے کہ میں کیا محسوس کر رہا تھا اور کیا محسوس کر رہا ہوں۔''

''بات تو واقعی بہت عجیب ہے۔'' بلال سوچتے ہوئے بولا۔ ''ویسے اس کی پھوپھی بھی کہتی ہیں کہ وہ ان کے پاس آتی ہے۔ وہ بے چاری تو آج تک مہرو کی موت کو قبول ہی نہیں کر پائیں۔ اپنی کوئی اولاد تو تھی نہیں، مہرو ہی کو وہ اپنی بیٹی سمجھتی تھیں۔ اب تو نیم پاگل سی ہو گئی ہیں۔''

''وہ مجھے تصور نہیں لگتی، بلال!'' میں نے آسمان پر نگاہیں جماتے ہوئے کہا تو وہ کھوجتی نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔

''اب یہ سوچنے سے کیا فائدہ؟ جب وہ حقیقت تھی تو تم نے......'' وہ کہتے کہتے چپ ہو گیا مگر میں سمجھ گیا کہ وہ کیا کہنا چاہ رہا ہے۔ میرے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ آ گئی۔ میں نے بلال کی طرف کروٹ بدلی۔

''بلال! گیا وقت اگر ایک بار واپس آ جائے تو؟''

میں نے کہتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔ میری سوچیں بہت بدحال ہو رہی تھیں۔ بات کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ دل و دماغ کیا چاہتے ہیں۔ احساسِ ندامت اور احساسِ جرم شدتوں سے اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔

بلال نے میرا شانہ تھپکا۔

''یہ سب ذہنی ٹینشن کا نتیجہ ہے اور کچھ نہیں۔''

میں نے اسے دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

''نہیں بلال! یہ کچھ اور ہے۔''
''نویلہ کو کیا کہا ہے تم نے؟'' وہ چند لمحوں کے بعد سنجیدگی سے پوچھنے لگا تو میں بے بسی سے ہنس دیا۔
''میں نے چھ دفعہ اس سے پوچھا تھا کہ اس نے ساتھ والی چھت پر کسی لڑکی کو تو نہیں دیکھا۔ مہرو کا نام بھی لیا کئی دفعہ۔''
''اوہ......!'' وہ تاسف سے مجھے دیکھنے لگا۔ ''اب اسے کیا پتہ حقیقت کا؟''
''اب چھپانے سے حاصل بھی کیا ہے۔'' میں نے اکتاہٹ سے کہا۔
''اور اس کا ری ایکشن؟'' بلال نے استفہامیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔
''وہ شدت پسند ہے۔''
میں نے بے تاثر انداز میں کہا تو وہ گہری سانس لے کر اٹھا اور دودھ کے گلاس اٹھا لایا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی میں اٹھ بیٹھا۔ حالانکہ اس وقت مجھے صرف ایک پُرسکون نیند کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔
''کیا یہ بات تمہارے اور نویلہ کے ریلیشن پر اثر انداز ہو سکتی ہے؟''
میں نے نفی میں سر ہلا دیا۔
''جب کچھ تھا ہی نہیں تو پھر یہ سب کیا حقیقت رکھتا ہے؟''
''اینی ویز...... ساری بات باہمی اعتماد اور محبت کی ہوتی ہے۔'' بلال نے بڑی خوب صورتی سے مجھے گویا سوچ دے کر بات ختم کر دی۔
نویلہ کو منانے میں مجھے بہت مشکل پیش آئی۔ وہ کسی صورت مزید ٹھہرنے پر راضی نہیں تھی۔
''تم اتنے برے ہو، احمر نواز! پتہ نہیں کیا کچھ چھپا رہے ہو مجھ سے۔''

''بائی گاڈ نویلا وہ سب مذاق تھا یار۔ میں تو تمہیں ڈرا رہا تھا۔ تمہاری بہادری چیک کر رہا تھا۔''
''واقعی، ڈرا تو رہے تھے تم رات کو۔'' وہ طنزیہ لہجے میں بولتی کرسی میں دھنس گئی۔ پھر سب کچھ بھول کر بیزاری سے پُر انداز میں بولی۔
''آئی ایم فیڈ اپ، احمر! اب واپس چلیں۔''
''پاگل تو نہیں ہو گئیں؟ ابھی کل تو آئی ہو۔''
میں نے اُسے گھورا تو وہ آرام سے بولی۔
''شکر کرو کہ میں رہ لی یہاں۔ اتنے چھوٹے سے گھر میں تو میرا دم گھٹ رہا ہے۔ رات بھی سو نہیں سکی ٹھیک سے۔'' اس کا انداز مجھے بہت محسوس ہوا۔
''تم نے ان لوگوں کی محبت محسوس نہیں کی؟''
''اب صرف محبت سے تو زندگی نہیں گزاری جا سکتی، احمر! اینی ہاؤ، کیا پروگرام ہے آج کا؟'' وہ شانے اچکا کر بڑی صاف گوئی سے کہہ رہی تھی۔ میں پُرسوچ انداز میں اُسے دیکھنے لگا پھر آرام سے بولا۔
''یہاں کیا پروگرامنگ ہو سکتی ہے؟ اتنی گرمی میں کہیں جانے کا حال نہیں ہے۔''
''واٹ؟......یعنی بس یونہی بیٹھ کے دن گزارنا ہے؟'' وہ بے یقینی اور حیرت سے اونچی آواز میں بولی تو میں سنجیدگی سے کہنے لگا۔
''دیکھو، اگر تم کوئی توقعات لے کر آئی ہو تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ میں تو یہاں یونہی رہوں گا۔ کیونکہ مجھے عادت ہے۔ میں ان لوگوں کی محبت کے لئے یہاں آتا ہوں۔ سیر و تفریح تو ہر جگہ ہو سکتی ہے۔''
اس کے چہرے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے میری باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ جس پر مجھے بہت تاسف ہوا مگر میں اس کی فطرت سے اچھی طرح واقف تھا اس لئے میں نے اس کے تاثرات پر توجہ نہیں دی۔
''ڈونٹ ٹیل می، احمر! میں تو اپنے گھر میں کبھی ٹک کے نہیں بیٹھی اور تم یہاں کی بات کر رہے ہو۔ یہ تین کمروں والا سیلن زدہ گھر۔ جہاں میرا دم گھٹتا محسوس ہوتا ہے۔ میں تو تمہاری وجہ سے یہاں ہوں، ورنہ یو نو، میں عادی ہی کہاں ہوں ان ڈربہ نما گھروں کی۔ ایسے تو ہمارے گھر کے ملازمین کے کوارٹرز ہوتے ہیں۔''

وہ بے حد طنز و استہزا سے پُر انداز میں بولی تو میں ششدر رہ گیا۔ میں اُس کے غرور اور تمکنت سے واقف تھا اس لئے اُس کی بیشتر باتوں کو نظر انداز کر دیا کرتا تھا کیونکہ بہر حال، وہ ہماری کلاس کی لڑکی نہیں تھی اور مجھے اس لحاظ سے وہ مکمل لگتی تھی کہ غرور ہی سہی، وہ لڑکوں سے دوستی کرنا پسند نہیں کرتی تھی۔ مگر اب اُس کا اس قدر تنفر سے ماموں جان کی سفید پوشی کا مذاق اڑانا مجھے بہت برا لگا۔

''اگر تمہیں یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تو تم بخوشی واپس جا سکتی ہو۔ مگر ایک بات نوٹ کر لو کہ آئندہ کبھی ان لوگوں یا اس گھر سے متعلق اس لہجے میں کبھی بات مت کرنا۔''

میں سرد لہجے میں بولا تو وہ متاثر ہوئے بغیر اسی انداز میں بولی۔

''مجھے کیا ضرورت پڑی ہے ان لوگوں کو ایشو بنانے کی؟ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میرے فرینڈز میرے اسٹینڈرڈ کے ہوتے ہیں۔ میں اِدھر اُدھر کے لوگوں کو خواہ مخواہ کی اہمیت نہیں دیتی۔''

یہ اس کا ایک رُخ جو بے حد غیر متوقع طور پر میرے سامنے آیا تھا۔ اس سے پہلے بھی میں اس کی فطرت سمجھنے کا دعویٰ کرتا تھا مگر اصل میں مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہ کبھی مجھ سے منسلک رشتوں سے متعلق بھی ایسے لب و لہجے میں بات کر سکتی ہے۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو تم......؟'' میں ناگواری سے بولا۔ ''یہ میرے غیر لوگ نہیں ہیں۔ اور ایک بات یاد رکھنا، نویلا! میں ان لوگوں سے الگ ہوں گے۔ اگر میں تمہارے ساتھ تم سے منسلک رشتوں کو اپناؤں گا تو تمہیں بھی یہی کرنا ہوگا۔ وہ بھی اتنی ہی خوشی سے، جتنی خوشی سے میں یہ کام کروں گا۔''

میں نے صاف الفاظ میں اس پر واضح کر دیا کہ ماموں جان کی اہمیت میرے لئے کیا ہے۔ وہ عجیب سے انداز میں مجھے دیکھنے لگی۔

''تمہارا یہ روپ بہت حیران کن ہے۔ مگر احمر! یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں ایک خاص انداز میں زندگی گزارنے کی عادی ہوں۔ اور پھر......''

''تو آج تم بھی جان لو کہ میں کس قسم کی زندگی گزارنے کا عادی ہوں۔ میں جس بھی لڑکی سے شادی کروں گا، اسے اس گھر میں آ کر ویسے ہی رہنا ہوگا، جیسے میں رہتا ہوں۔ میں نے ہمیشہ اپنے ماموں جان اور ممانی جان کو اپنے والدین کے ساتھ جگہ دی ہے۔''

میں نے اُس کی بات کاٹ کر گویا مہر حقیقت ثبت کی۔ اُس کے ماتھے کی شکنیں گواہ تھیں کہ اُسے میری باتیں زہر لگ رہی ہیں مگر میں اس کی یہ آزمائش ہر صورت چاہ رہا تھا۔ اُس کی خاطر میں ماموں جان

کے گھرانے کو چھوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

رات کو بلال کی ضد پر ہم چاروں نہر کی طرف چل دیے۔

نویلہ کے ساتھ دوپہر کو جو گرما گرمی ہوئی تھی، اس کے بعد وہ مجھ سے کم ہی بات کر رہی تھی۔ اب بھی وہ اپنی ناراضگی ظاہر کرنے کے لئے نیا کے ساتھ چل رہی تھی۔

مجھے بہت افسوس ہوا کہ وہ ابھی بھی خود کو حق پر سمجھ رہی تھی۔ میرے والد بھی بہت امیر تھے مگر ابو نے کبھی امی کو نہیں جتایا تھا کہ وہ غریب گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں اور نہ ہی اتنے امیر آدمی سے بیاہے جانے کے بعد امی میں کوئی غرور آیا تھا۔ بلکہ مجھے اپنے والدین کی سب سے اچھی جو عادت لگتی تھی، وہ ان کی انکساری تھی۔ یہی حال بھائی جان، آپی اور بھابی کا بھی تھا۔ وہ لوگ اتنے دنوں آ کر یہاں رہتے تھے مگر کبھی انہوں نے ناگواری کا اظہار نہیں کیا تھا۔ کیونکہ میری طرح وہ بھی آسائشوں سے زیادہ محبتوں کے متلاشی تھے۔ آسائشیں تو کہیں بھی مل جاتی ہیں مگر محبتیں ہر جگہ نہیں ملتیں۔

''آج فل مون نائٹ ہے، آئی تھنک۔''

ہر شے پر چاندنی چھائی دیکھ کر یہ بے ساختہ الفاظ نویلہ نے کہے تھے تو مجھے خیال آیا کہ واقعی چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جگمگا رہا تھا۔ نہر کے پانی میں گھلا سونا دیکھ کر نویلہ بھی اتنی ہی پُرجوش ہوئی جتنا کہ کبھی میں ہوا تھا۔

''مائی گاڈ...... یوں لگ رہا ہے جیسے چاندنی گھل رہی ہے پانی میں۔'' وہ بڑی بے تکلفی سے کنارے پر بیٹھی اور جوتوں سمیت پاؤں پانی میں ڈال دیے۔ میں بے اختیار بول اٹھا۔

''دھیان سے نویلہ!...... بہت گہرا پانی ہے۔''

''ہاں، بہت گہرا پانی ہے۔ کوئی گر جائے تو لمحوں میں غائب۔'' بلال نے بھی اسے دھیان رکھنے کو کہا تھا۔ مگر میں کہیں اور جا نکلا۔

میں بہت اچھا تیراک تھا، لیکن اگر مجھے بھی کوئی یوں نہر میں کود جانے کو کہتا تو میں پہلے کئی بار سوچتا۔ جانے نمرو نے کیسے؟

''سب کہتے ہیں کہ پورے چاند کی رات کو نمرو کی روح یہاں آتی ہے۔'' میں اور بلال کنارے کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ اس کی بات پر میں ٹھٹک گیا۔

''کیا تم بلیو کرتے ہو اس بات پر؟''

''کرنا پڑتا ہے۔'' اس نے شانے اچکائے۔ ''میں خود کئی بار دیکھ چکا ہوں۔'' اس کے بے حد آرام سے کہنے پر میں بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا۔ میرے تحیر پر وہ بھنویں اچکا کر پوچھنے لگا۔

''تم خود بھی تو اسے دیکھنے کا دعویٰ کر چکے ہو۔''

''مگر میں تو اسے تصور کا کرشمہ سمجھ رہا تھا۔'' میرے اعتراف پر وہ بولا۔

''یہ تصور نہیں ہے۔ جس شخص کی موت غیر معمولی حالات میں ہوئی ہو، کہتے ہیں کہ اس کی روح چین نہیں پاتی، اس لیے منڈلاتی پھرتی ہے۔''

میں رک کر اس کے سامنے آ گیا اور بغور اس کے چہرے کو دیکھنے لگا۔ میری اس حرکت پر پہلے وہ حیران ہوا پھر ہنس کر شرارت سے بولا۔

''کہیں پورے چاند کا خمار تو نہیں چڑھ گیا؟ بھائی! میں نویلا نہیں ہوں، ذرا احتیاط سے۔''

وہ شرارت کے موڈ میں تھا مگر میرا ذہن کہیں اور تھا۔

''بلال! کیا واقعی مہرو نے خودکشی کر لی تھی؟''

میرا سوال اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھا کہ وہ ٹھٹکا گیا۔

''تمہیں شک ہے کیا؟''

''کل میں خالہ زرینہ سے ملنے جاؤں گا۔'' میں نے فیصلہ کیا تھا۔ وہ بولا۔

''تمہارا مطلب ہے کہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں؟''

''پتہ نہیں کیوں، مگر مجھے یقین کرنے میں مشکل پیش آ رہی ہے۔'' میں واقعی الجھ رہا تھا۔

اب یکلخت خیال آیا تھا کہ میں نے کسی اور سے پوچھنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی۔ بس نیا اور بلال کے کہے پر یقین کر کے بیٹھ گیا تھا۔

''میں نے تمہیں بتایا تھا کہ خالہ زرینہ بیمار ہیں۔ تم ان کو مزید تکلیف دو گے۔'' وہ محتاط انداز میں کہہ رہا تھا۔

''میں ان سے کچھ نہیں کہوں گا۔ مگر کچھ اندازہ ضرور لگانے کی کوشش کروں گا۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ بات پتہ چل جائے۔''

میں نے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر تھکے تھکے انداز میں کہا تو وہ جانچتی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے پُرسوچ انداز میں بولا۔

''احمر! کیا تمہیں یقین ہے کہ تم نے واقعی مہرین کے ساتھ مذاق کیا تھا؟''

''ہاں...... یقین کرو، بلال! وہ سب ایک مذاق تھا۔''

میں فوراً بولا اور واقعی یہ بالکل سچ تھا اس لئے مجھے سوچنے کی بھی ضرورت نہیں پڑی تھی۔

''لیکن اُسے تم سے واقعی محبت تھی۔ جب میں نے نیا کے سامنے اس سے بات کی تو، بلیو می احمر! وہ یوں ساکت رہ گئی تھی، جیسے کسی نے اس کی جان نکال لی ہو اور اس کے بعد اس نے مجھ پر چیخنا شروع کر دیا۔ بغیر پرواکے کہ گھر میں چچی جان بھی موجود تھیں۔ وہ کہہ رہی تھی کہ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ تم یقین نہیں کرو گے، احمر! میری پوزیشن کتنی آکورڈ لگ رہی تھی اس وقت۔ تم تو اتنی آسانی سے کھیل کھیلنے کے بعد چلے گئے مگر وہ واقعی پاگل ہو گئی تھی۔''

وہ تاسف اور ہمدردی سے پُر انداز میں کہہ رہا تھا۔ میں احتجاجاً بول اٹھا۔

''یقین کرو، بلال! میں نے نہ فقط اس سے لفاظی کی تھی۔''

''تو باقی سب کیا کرتے ہیں؟ اور کیسے یہ جذبہ پروان چڑھتا ہے؟'' وہ الٹا مجھ سے پوچھنے لگا تو میں نے ہارے ہوئے انداز میں کہا۔

''مجھے یقین نہیں آتا، بلال! کوئی لڑکی اتنی ذرا سی بات کے پیچھے اتنا بڑا قدم کیسے اٹھا سکتی ہے۔''

''اب تو یقین آ گیا نا؟'' وہ بے حد جتانے والے انداز میں بولا تو میں لب بھینچے پانی اور چاند کی کرنوں کا کھیل دیکھنے لگا قدرے توقف کے بعد میں نے کہا۔

''میں جب بھی سوچتا ہوں تو ڈسٹرب ہونے لگتا ہوں۔ جب میں نے اس سے محبت نہیں کی تو وہ کیوں اتنی آگے چلی گئی۔''

''جھوٹ کو سوچو گے تو کبھی حقیقت کو تسلیم نہیں کر پاؤ گے۔ مان کیوں نہیں لیتے کہ اسے اس حد تک لانے کے لئے تم نے ہر حربہ آزمایا تھا۔''

بلال کے لہجے میں غصے کی خفیف سی آنچ تھی۔ میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ اندر سے وہ بھی مجھے قصوروار گردانتا ہے۔ اب تک تو وہ مجھے بس اس معاملے کو بھول جانے ہی کا کہتا رہا تھا۔

میں کچھ کہے بغیر واپس نیا اور نویلہ کی طرف چل پڑا۔ میں نے یہ دیکھنے کی زحمت نہیں کی کہ وہ میرے پیچھے آ رہا ہے یا نہیں۔

''اٹس ویری بیوٹی فل، احمر!...... ہر چیز پر لگ رہا ہے سونے کا پانی چڑھا ہوا ہے۔'' نویلہ خاصی بہل گئی تھی۔

واقعی ماحول بہت مسحور کن سا ہو رہا تھا۔ میں نے بھی گزری باتوں کو دہرانا مناسب نہیں سمجھا اور ان کے پاس بیٹھ گیا۔ البتہ میں نے ان دونوں کی طرح پاؤں اندر نہیں ڈالے۔ نویلا جوتے اتار چکی تھی۔

''یہاں موسم خوشگوار لگ رہا ہے۔'' نیا نے بھی اپنا خیال ظاہر کیا تو میں نے ہلکے سے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔ تبھی نویلہ نے جھک کر چلو میں پانی لیا اور مجھ پر اچھال دیا۔ میں لحظہ بھر کو ٹھٹکا گیا۔ اس کے بعد اس نے تواتر سے مجھ پر یونہی پانی اچھالنا شروع کیا تو میرے ساتھ ساتھ نیا بھی ہنسنے لگی۔

''وات دا ہیل......؟'' نویلا ایک دم سے چلائی تھی۔ پھر فوراً پاؤں پانی سے نکالتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسی اثنا میں بلال بھی قریب آ چکا تھا۔

''کیا ہوا؟'' میری گھبراہٹ فطری تھی۔

''وہ...... پانی کا کلر دیکھا ہے بالکل ریڈ ہو رہا ہے۔'' نویلہ خوف زدہ نظروں سے پانی کو دیکھ رہی تھی۔

میں نے ایک جھٹکا سا محسوس کیا اور فوراً جھک کر ہاتھ میں پانی لے کر دیکھا۔ وہ واقعی سرخی مائل ہو رہا تھا۔

''میری دوست تھی ہمرو۔ جب سے اس نے اس نہر میں خودکشی کی ہے تب سے ہر پورے چاند کی رات کو اس نہر کا پانی سرخ ہو جاتا ہے۔''

نیا دھیمی آواز میں نویلہ کو بتا رہی تھی۔ اس کی آواز میں موجود دکھ مجھے جیسے بہت گہری کھائیوں میں لے جا رہا تھا۔ ذہن یقین و بے یقینی کے حصار میں آ گیا۔

''احمر!'' بلال نے آگے بڑھ کر میرے شانے پر ہاتھ رکھا تو میں خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ نویلہ بے حد خوف زدہ ہو گئی۔ واپسی پر ہم چاروں نے آپس میں کوئی بات نہیں کی تھی۔

نیا اوپر چادریں رکھنے آئی تھی۔ جاتے جاتے میری طرف پلٹی۔

''وہ نویلہ آپی مجھ سے مہرو کے بارے میں پوچھ رہی ہیں۔''

وہ کہہ کر مجھے دیکھنے لگی۔

میں نے آنکھوں پر سے بازو ہٹا کر اسے دیکھا اور پھر بے تاثر لہجے میں بولا۔

''جا کر سب اسے بتا دو۔''

وہ خاموشی سے پلٹ کر سیڑھیاں اترنے لگی۔

''تم ٹھیک ہو؟'' بلال نے استفہامیہ نظروں سے دیکھا مگر میں اس وقت بالکل بھی بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

''سو جاؤ، بلال! مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔'' میں نے سپاٹ انداز میں کہا۔ اس کے بعد بلال کوئی بات کیے بغیر خاموشی سے سو گیا۔ مگر میں پتہ نہیں، کن پاگل کر دینے والی سوچوں میں الجھ کر رہ گیا تھا، جو ریشم کے الجھے دھاگوں کی مانند اپنا کوئی سرا میرے ذہن کے ہاتھ تھمانے کو تیار نہیں تھیں۔

اگلی صبح نویلہ واپسی کے لیے تیار تھی۔ ممانی جان بے چاری اسے روکنے کو ہلکان ہو رہی تھیں۔

''دراصل مجھے اتنے تنگ گھروں میں رہنے کی عادت نہیں ہے۔ اور وہ بھی یوں بند رہ کے۔'' وہ اپنے مخصوص پُرنخوت انداز میں کہہ رہی تھی۔

''جانے دیں اسے۔'' مجھے اس کا انداز بے حد برا لگا تھا۔ وہ یہ بھی احساس نہیں کر رہی تھی کہ وہ کس سے بات کر رہی ہے اور کس لہجے میں یہ سب کہہ رہی ہے۔ اس لیے میرے لہجے میں تپش اتر آئی۔

''اسے عادت ہو چکی ہے مصنوعی چہروں اور مصنوعی جذبوں کے ساتھ زندگی گزارنے کی۔'' میں تلخ ہو جاتا اگر ممانی جان اشارے سے مجھے منع نہ کر دیتیں۔ میں سر جھٹکتا کمرے میں آ گیا۔ نویلہ میرے پیچھے آئی تھی۔

''احمر! تم بھی میرے ساتھ چلو گے۔'' اس کے لہجے میں تحکم تھا۔

میں بے تحاشا چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ مگر جلد ہی میں حیرت کے غلبے سے نکل آیا اور رکھائی سے بولا۔

''میں نے تمہیں کہا تھا کہ میں واپس نہیں جاؤں گا ابھی۔''

''لیکن اب تمہیں بھی میرے ساتھ چلنا ہے۔ کیونکہ میں تم سے کہہ رہی ہوں۔'' وہ بہت اکھڑ انداز میں بات کر رہی تھی۔ میں نے دھیان سے اس کے تاثرات ملاحظہ کیے اور قدرے نرم لہجے میں بات ختم کی۔

''نویلہ! میں بات بگاڑنا نہیں چاہتا۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم چلی جاؤ۔ کچھ دنوں کے بعد میں واپس آ جاؤں گا۔''

''یہاں کچھ نہیں ہے۔ احمر! سوائے مہر کی یادوں کے۔'' اس نے یکلخت ہی پینترا بدل کر طنز کا وار کیا تو میں ساکت رہ گیا۔ مجھے اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہ بات کو اس انداز میں لے جائے گی۔

''بہتر ہو گا، نویلہ! کہ تم اب چلی جاؤ۔ بے وجہ اپنے آپ کو ٹینشن مت دو۔'' میں نے بہت ضبط سے کہا تو وہ استہزائیہ انداز میں مجھے دیکھنے لگی۔

''میں خود بھی اس آسیبی جگہ پر نہیں رہنا چاہتی اور میں یہ بھی پسند نہیں کروں گی کہ تم یہاں رہ کر ان یادوں کو تازہ کرو۔''

''شٹ اپ، نویلہ!'' میں نے دھیمے مگر سخت لہجے میں اسے روک دیا۔ اس سے زیادہ برداشت کا یارا مجھ میں نہیں تھا۔ ''میں تمہاری پراپرٹی نہیں ہوں، جس سے متعلق ہر فیصلہ تمہیں کرنے کا حق ہے۔''

''مائنڈ یو، احمر نواز! میں کبھی بھی ایسے لب و لہجے کی عادی نہیں رہی۔''

''نویلہ! پلیز، میں بات بڑھانا نہیں چاہتا۔ تم یہاں سے اچھے موڈ کے ساتھ جاؤ۔'' میں بات ختم کرنے کی آخری کوشش کرنے لگا۔ مگر وہ اس کوشش کو کامیاب کرنے میں میرا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ تیز لہجے میں بولی۔

''لیکن میں تمہارے بغیر نہیں جاؤں گی۔ آج مجھے بھی تو پتہ چلے کہ تمہاری نظر میں میری کیا اہمیت ہے۔ اور یہ غریب غربا تمہارے لیے کیا ہیں؟''

وہ یوں کہہ رہی تھی، جیسے میں اُس کے اشاروں پر ناچنے والا، اس کا سدھایا ہوا کوئی جانور ہوں اور ماموں کے گھرانے کے لئے وہ جو الفاظ استعمال کر رہی تھی بھر ف یک پل کو میری رگوں میں انگارے دوڑے تھے۔ اس سے اگلے لمحے میں، میں نے بے حد صاف آواز اور الفاظ میں اسے کہا۔

''تو پھر تم جا سکتی ہو۔ میں کسی بھی قیمت پر تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔''

اسے بھی یقیناً شاک لگا تھا۔ آج تک اس نے میرے منہ سے یوں صاف انکار نہیں سنا تھا۔ میں اس قدر دوستانہ مزاج رکھتا تھا کہ اس کی ہر ضد آرام سے مان جاتا تھا۔ مگر جلد ہی وہ سنبھلی تھی۔

''مائی فٹ، احمر نواز! تم چمٹے رہو اس بدروح کی یادوں سے، جس کی آڑ میں پتہ نہیں، کیسے قصے چھپے ہیں۔''

وہ تن فن کرتی چلی گئی تو میں کئی لمحوں کے لئے وہیں کھڑا رہ گیا۔

مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ باب ختم ہو گیا ہے۔

وہ نویلہ حسن، جس کے ہونے سے مجھے طمانیت اور سکون کا گہرا احساس ہوتا تھا، جو گھر والوں کی ناپسندیدگی کے باوجود مجھے پسند تھی، آج کتنے آرام سے میں نے اسے خود سے جدا کر دیا تھا۔

میں گہری سانس لے کر کرسی میں دھنس گیا۔

میں نے اپنی کیفیت کا تجزیہ کیا تو مجھے خوش گوار حیرت ہوئی۔ کیونکہ میں نے کہیں بھی اپنی طبیعت میں بوجھل پن محسوس نہیں کیا تھا۔

'تو یہ محبت نہیں تھی، نویلہ حسن!' میں نے دل میں سوچا۔ 'محبت تو وہ ہے، جس نے مجھے یہاں روک لیا ہے۔' میں نے سرشاری سے سوچا۔

ماموں جان، ممانی جان اور نینا کی محبت واقعی جیت گئی تھی۔ میں نے نویلہ کے ڈرائیور کو فون کر کے بلوا لیا تھا۔ نویلہ کے جانے کے بعد جیسے گھر میں مجرمانہ سی خاموشی چھا گئی مگر چونکہ میرے دل و دماغ پر کوئی بوجھ نہیں تھا، اس لئے میں نے جلد ہی اس خاموشی کو توڑ دیا۔ ورنہ بے چاری ممانی جان خوامخواہ چور سی بنی ہوئی تھیں۔ نویلہ حسن اتنی آہستہ تو اظہار خیال کر نہیں رہی تھی کہ تمام باتیں سب نے نہ سنی ہوں۔ اور ایسی خوش فہمی مجھے تھی بھی نہیں۔ بہرحال میرے اچھے موڈ نے سب کو ریلیکس کر دیا تھا۔

شام کو میں نے خالہ زرینہ کے ہاں جانے کا ارادہ کیا۔ بلال ور نیا کی خاموشی میں نے اچھی طرح محسوس کی جبکہ ممانی جان نے سنتے ہی کہا۔

''بالکل جاؤ۔ وہ بے چاری تو بستر ہی سے لگ کے رہ گئی ہیں۔'' ممانی جان کے اٹھتے ہی بلال میری طرف متوجہ ہوا تھا۔

''کیا فائدہ ٹھنڈی راکھ کرید نے کا؟ خوامخواہ ان کو تنگ کرو تم۔''

''ان کی طبیعت واقعی اچھی نہیں ہے۔ آپ وہاں......'' نیا نے بھی مجھے روکنا چاہا تو میں نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گیا۔

''اگر میں وہاں جا رہا ہوں تو تم لوگ یہ کیوں سمجھ رہے ہو کہ میں مہرین عباس علی ہی کی موت کا افسوس کرنے جا رہا ہوں۔ کیا میں خالہ زرینہ کی عیادت کرنے نہیں جا سکتا یا پھر تم لوگ مجھے اس قابل نہیں سمجھتے؟''

میرے یوں پھٹ پڑنے پر وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

میں بال بنا کر باہر آیا تو بلال مجھے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''نیا کہاں ہے؟''

میرے پوچھنے پر اس نے کہا۔

''وہ خالہ زرینہ کے ہاں گئی ہے۔ ان کی میڈیسن کا ٹائم ہو گیا تھا۔''

میں سر ہلاتا اس کے ساتھ باہر کی طرف چل دیا۔

جوں جوں میں قدم اٹھا رہا تھا میرے دل پر عجیب سا بوجھ پڑتا محسوس ہو رہا تھا۔ دروازے تک پہنچے تو میرا یہ حال تھا کہ وہیں سے واپس لوٹ آنے کو جی چاہ رہا تھا۔ ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی کہ میں، خالہ زرینہ جیسی مشفق اور سادہ خاتون کا سامنا کروں۔

بلال نے دروازہ کھٹکھٹایا تو میری ذہنی رو بھٹکنے لگی۔ ایک وہ وقت تھا، جب دروازہ ہمیشہ مہرین علی عباس کھولا کرتی تھی۔

میرے ذہن نے چشم تصور پر اس کے کئی دل فریب روپ لہرا دیے۔
خوب صورت تو وہ تھی ہی۔ اس پر اس کے لب و لہجے کی دل فریبی نے مجھے کئی بار اپنے جادو کا اسیر کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر جہاں سازش ہو فریب ہو اور جھوٹ ہو، وہاں محبت نہیں ہوتی۔ میرے اندر تب فقط اُسے نیچا دکھانے کا خیال پروان چڑھتا رہتا تھا اس لئے میں اس جذبے کا اسیر نہیں ہو پایا تھا۔ اور وہ جذبوں سے گندھی تھی۔ بالکل ''خالص'' تھی۔ اسی لئے تو یوں محبتوں میں غرق ہوئی کہ میرے لفظوں کو بھی کبھی پرکھ کر نہیں دیکھا۔
دروازہ کھلنے کی آواز پر میں چونکا۔ بڑی بیتابی سے میری نظر دروازہ کھولنے والے چہرے پر پڑی۔ وہاں نیا کو کھڑے دیکھ کر میں خود کو بہت تھکا ہوا محسوس کرنے لگا۔ ہم تینوں اندر چلے آئے جہاں خالہ زرینہ اپنے پلنگ پر دراز تھیں۔ میرے سلام کرنے پر انہوں نے سلام کا جواب تو دیا مگر وہ مجھے پہچان نہیں پائیں۔
نیا نے میرا تعارف کرایا تو وہ خوش ہو گئیں۔ اپنے سر پر دھرے ان کے لرزتے کانپتے ہاتھ کی شفقت مجھے ندامت کی اتھاہ گہرائیوں میں دھکیل رہی تھی۔
اگر یہ جان جائیں کہ میں نے کیا، کیا ہے اور میری وجہ سے ان کا کتنا عظیم نقصان ہوا ہے تو؟
میری پیشانی پر پسینے کی بوندیں چمکنے لگیں۔ بلال انہیں آرام کرنے کا مشورہ دے رہا تھا۔ وہ واقعی بہت کمزور لگ رہی تھیں۔ ابھی بھی انہیں تیز بخار تھا۔
''میں نے ابھی دوائی دی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد سو جائیں گی۔'' نیا نے مجھے دھیمی آواز میں بتایا تھا۔
''تم آجایا کرو، نیا میرے پاس بیٹھا کرو۔ یہ مہرو تو بس ہر وقت کاموں میں مصروف رہتی ہے۔ بس یونہی لیٹی اسے چلتے پھرتے دیکھتی رہتی ہوں۔'' وہ نیا سے مخاطب تھیں۔ میں نے اپنے وجود میں سنسناہٹ سی دوڑتی محسوس کی۔
''پتہ نہیں، کیا ہو گیا ہے۔ بیٹا! تم نے بھی تو دیکھا ہوا ہے میری مہرو کو۔ پہلے تو ہر وقت ہنستی بولتی رہتی تھی۔ پر کچھ عرصے سے تو گم صم سی ہو گئی ہے۔ میں پوچھتی ہوں تو بس ہنس کر چپ ہو جاتی ہے۔ پتہ نہیں کیوں، خود کو اس طرح......'' وہ مجھ سے کہتی کہتی نیند کے جھونکوں کی زد میں آ گئیں۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ اپنے تخیل کی پروردہ مہرو کا تذکرہ کر رہی ہیں۔

میں خاموشی سے سر جھکائے بیٹھا تھا۔
خالہ زرینہ کے شوہر، جنہیں سب ماسٹر جی کہہ کر مخاطب کرتے تھے، بازار سے لوٹے تو بہت خوش دلی سے ملے۔ وہ اسکول میں پڑھاتے تھے۔ میری بھی کبھی ان سے اچھی خاصی سلام دعا رہی تھی۔
نیا نے چائے بنا کر ہمیں پلائی تھی۔
تھوڑی دیر کے بعد میں نے اجازت چاہی۔ نیا پتہ نہیں کہاں گھسی ہوئی تھی، بلال کے آواز دینے پر وہ صحن میں نکلی تھی۔
''میں خالہ کے لیے کھچڑی بنا رہی تھی۔ ابھی دم پر رکھ کے آتی ہوں۔''
اُس نے وضاحت کی مگر میں ان سنی کرتا بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ میں جلد از جلد اس گھر سے نکل جانا چاہ رہا تھا۔ مجھے لگ رہا تھا، جیسے میری سانس گھٹ رہی ہے۔
رات سونے کے لیے ہم اپنے پلنگوں پر لیٹے تو میں بہت دل گرفتہ ہو رہا تھا اور اسی دل گرفتگی اور شکستگی کی کیفیت میں، میں نے بلال کے سامنے اپنی غلطی بلکہ فاش غلطی کا اعتراف کیا تھا۔
''واقعی مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں نے بہت برا کیا، بلال!''
''اٹس ٹو لیٹ۔'' یہ بلال کا حقیقت پسندانہ اور بے حد سنجیدہ جواب تھا۔
''میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں کسی طرح گزرے وقت کو واپس لے آؤں۔'' میری آنکھیں سلگ رہی تھیں۔
''تو کیا کرو گے پھر؟'' بلال کا انداز قدرے استہزائیہ تھا۔ ''معافی مانگو گے اس سے؟''
''نہیں بلال!'' میں جیسے بے اختیار خود کلامی کے سے انداز میں بول رہا تھا۔ ''میں سرنڈر کر دوں گا، اس کی محبت کے آگے۔ میں قبول کر لوں گا اس کی محبت کو اور اپنی محبت کا اعتراف کروں گا۔''
''اعمر! کیا کہہ رہے ہو؟'' بلال کے پلنگ میں جیسے کسی نے کرنٹ دی ہو۔ یوں اچھل کر بیٹھا تھا۔
''صحیح کہہ رہا ہوں، بلال! محبت کا یہ انداز تو مار گیا ہے مجھے۔ میں نے کب دیکھا تھا یہ روپ محبت کا۔ نویلہ حسن جیسی لڑکیاں تو سرما کی آتی جاتی دھوپ جیسی ہوتی ہیں۔ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے وہ کبھی میری

زندگی میں آئی ہی نہیں تھی۔"

میرے لب و لہجے میں اتری شکست بلال سے مخفی نہیں رہ سکی۔ مگر مجھے اس کا کوئی خیال نہیں تھا۔ اس پل مجھے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ میں ایک معصوم لڑکی کا قاتل تھا، جس نے واقعی مجھ سے محبت کی تھی۔

"اور مہرین؟" بلال کا لہجہ تھما ہوا تھا۔

میں نے گہری سانس لی۔

"ہاں...... مہرین۔" میں نے ستاروں سے جگمگاتے آسمان پر نظریں ٹکا دیں۔ "میں مانتا ہوں کہ میں نے کبھی اس کے حوالے سے اپنے دل میں کوئی فیلنگز نہیں رکھی تھیں۔ لیکن آج چار سالوں کے طویل عرصے کے بعد یقین کرو، بلال! اس کی یاد میرے دل میں ڈیرہ ڈال کے بیٹھ گئی ہے۔ مجھے اس کی یاد گھیرے رکھنے لگی ہے یار!"

"کیا وقت کبھی نہیں لوٹتا، احمر! تم نے سنا نہیں، شاید کچھ اسی طرح کہا ہے کسی نے کہ

کب لوٹا ہے بیتا جیون، بہتا پانی، بچھڑا ساجن"

تبھی آسمان پر ٹوٹتے ستارے پر میری نظر پڑی تو میں نے بلال کو متوجہ کیا۔

"میں اس ٹوٹے ستارے کو دیکھ کر خدا سے مہر کو مانگ رہا ہوں، بلال! وہ کہتی تھی کہ ٹوٹتے ستارے کو دیکھ کر دعا مانگو تو وہ قبول ہو جاتی ہے۔" میں شاید ہذیان بکنے لگا تھا۔ بلال پریشان ہو گیا۔

"کیا ہو گیا ہے، تمہیں احمر؟ ریلیکس یار۔ اٹس ناٹ اے بگ ڈیل۔" میں نے اس کی طرف کروٹ بدلتے ہوئے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ان ہواؤں میں سانس لینا بہت مشکل ہو گیا ہے بلال!"

میں واقعی حد درجہ دل گرفتہ ہو گیا تھا۔ مجھے نہیں پتہ تھا کہ محض مذاق سے شروع ہونے والی بات یہاں تک آ پہنچے گی۔

اگلے چند دن بہت پژمردگی سے گزرے تھے بلکہ روٹین تو وہی تھی مگر مجھے ہر چیز بری لگ رہی تھی۔ یونہی لیٹے لیٹے میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ صبح میں واپس چلا جاؤں گا۔ نیما باورچی خانے میں ممانی جان

کے ساتھ کھانا بنانے میں مصروف تھی۔ جبکہ بلال میرے پاس ہی برآمدے میں کرسی میں دھنسا بیٹھا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ آلو بخاروں سے بھی انصاف کر رہا تھا۔
تبھی بیرونی دروازہ ایک زوردار آواز کے ساتھ کھلا۔ میرا دماغ گویا جھنجھنا اٹھا۔ میرے ساتھ ساتھ بلال نے بھی بے اختیار آنے والے کو دیکھا۔
وہ نیا کو آوازیں دیتی آ رہی تھی۔ میں ششدر سا کہنی کے بل آدھی اٹھی اور آدھی لیٹی کیفیت میں آنے والے کو دیکھ رہا تھا۔ بلال پلیٹ میز پر رکھتا فوراً اس کی طرف لپکا تھا۔
''کیا بات ہے؟ کیا ہوا؟''
''وہ...... وہ پھپھو کو پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔ میں نماز پڑھ کے باہر نکلی تو وہ گری ہوئی تھیں۔'' وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
نیا اور ممانی جان بھی اس کی آواز پر پریشان سی باہر آ گئیں۔ بلال نے تیزی سے انہیں تفصیل بتائی اور باہر کی طرف لپکا۔ نیا اور ممانی جان بھی ان کے پیچھے لپکی تھیں اور میں بت بنا وہیں، اسی حالت میں بیٹھا رہ گیا تھا۔
تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد ممانی جان لوٹی تھیں۔ مجھے یوں اندھیرے میں پڑا دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔
''تم نہیں گئے، بلال کے ساتھ؟'' انہوں نے حیرت سے پوچھا، پھر کہنے لگیں۔ ''شکر ہے کہ ماسٹر جی بھی آ گئے تھے۔ زرینہ بے چاری بے ہوش تھیں۔ لگتا ہے کہ چکرا کے گر پڑی تھیں۔ سر تخت سے ٹکرا کر زخمی ہو گیا تھا۔ کمزوری تو پہلے ہی تھی، برداشت نہیں کر پائیں۔ بلال اور ماسٹر جی انہیں ہسپتال لے گئے ہیں۔ مہرو بے چاری کی حالت اتنی خراب ہو رہی ہے۔ روئے جا رہی ہے بس۔ ہاں بھئی اور ہے بھی کون اس کا ایک پھوپھی کے سوا؟ میں ابھی نیا کو چھوڑ کے آئی ہوں اس کے پاس۔''
ایک تواتر سے پوری تفصیل میرے گوش گزار کرتی وہ باورچی خانے میں چلی گئیں تو میرے مردہ حواس یک لخت حرکت میں آ گئے۔
'مہرو...... یہ مہر علی عباس ہی تھی؟'
میری کنپٹیاں سلگ اٹھیں۔ مجھے یوں لگنے لگا، جیسے میری رگوں میں خون کے بجائے شرارے بھر دیئے گئے ہوں۔ شدید توہین اور اہانت کے خیال نے مجھے اس قدر طیش دلایا کہ میں اسی وقت اٹھا اور

جوتے پہننے لگا۔

''تم کہاں جارہے ہو؟''ممانی جان کے پوچھنے پر میں بمشکل انہیں عام سے انداز میں کہہ پایا۔

''میں دیکھتا ہوں جا کر۔''

''وہ لوگ تو ہسپتال جا چکے ہیں۔تم گھر چلے جاؤ،لڑکیاں اکیلی ہیں۔''انہوں نے مجھے تاکید کی تو میں یونہی سر ہلاتا نکل آیا۔میرے اندر غضب کا ایک الاؤ دہکنے لگا تھا۔

تاریخ ایک بار پھر اپنے آپ کو دہرا رہی تھی۔اس نے ایک بار پھر میری چال مجھ ہی پر الٹ دی تھی اور میں جانے جنون وخرد میں بلال کے سامنے کیا ہذیان بکتا رہا تھا۔

اور وہ.......

وہ جو اس ڈرامے کی رائٹر اور ڈائریکٹر تھی،کتنی کامیاب رہی تھی۔

میں نے بہت بے ترتیبی سے دروازہ بجایا۔فوراً ہی دوڑتے قدموں کے ساتھ کسی نے آ کر دروازہ کھولا۔

وہی تھی.......سرخ آنکھیں لیے۔

شاید اسے توقع رہی ہو کہ ہسپتال سے کوئی خبر آئی ہے۔مجھے دیکھ کر وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔میں لب بھینچے شعلہ بار نظروں سے اسے دیکھتا آگے بڑھا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی یا واپس پلٹتی،میں نے ایک تھپڑ پوری طاقت سے اس کے منہ پر دے مارا۔وہ صحن میں جا گری۔اس کے منہ سے بے اختیار چیخ نکلی تھی۔

''تم ایک انتہائی گھٹیا لڑکی ہو۔بلکہ تمہیں لڑکی کہنا نسوانیت کی توہین ہے۔''میں انتہائی زہر خند لہجے میں بولا تو نیا جو ساکت کھڑی تھی،مجھ پر چلانے لگی۔

''شرم نہیں آئی آپ کو،ایک لڑکی پر ہاتھ اٹھاتے ہوئے؟گھٹیا تو آپ ہیں،جنہوں نے اس کے ساتھ اتنا فضول مذاق کیا۔اس نے تو واقعی آپ کو چاہا تھا۔اب آپ کو خود ذرا سی پریشانی برداشت کرنی پڑی تو آپ کی برداشت جواب دے گئی۔ذرا تصور کریں کہ اس کی کیا حالت ہوئی ہوگی،آپ کے مذاق کی تفصیل سن کر۔''

''میں کیوں ذہنی پریشانی کا شکار رہا تے دنوں؟ اس جرم کی سزا بھگتتا رہا، جو میں نے کیا ہی نہیں تھا۔'' میں غصے سے بولا۔ میرا دل چاہ رہا تھا، ویسا ہی زوردار تھپڑ نیا کو بھی دے ماروں۔
''اور اس کا کیا جرم تھا، جو آپ اس کی توہین کر گئے؟ بہت سی باتوں میں مذاق چلتا ہے مگر جذبوں میں نہیں۔ اور آپ کو کس بات کا غصہ آرہا ہے؟ اس لئے کہ یہ مری نہیں، زندہ بچ گئی ہے۔ اس نے دیوانگی میں خودکشی نہیں کرلی؟ اتنی ہی سچی محبت تھی نا آپ کو اس سے۔''
''بکواس بند کرو، نیا! تم نے بھی کم نہیں کیا میرے ساتھ۔'' میرا ذہنی خلفشار اور پراگندگی بڑھ رہی تھی۔ مہرین علی عباس نے ایک بار پھر مجھے ''مہرو'' بن کے دکھا دیا تھا۔
''میں نے ''بھی'' نہیں۔ یہ سب فقط میں نے اور بلال نے کیا ہے۔'' وہ بے حد تلخی سے بولی۔ آنسوؤں کی وجہ سے اس کی آواز بھی بھاری ہو رہی تھی۔ ''یہ سب بلال کا آئیڈیا تھا اور میں نے اس کی بات مانی تھی۔''
نیا نے دھماکا کیا تو میں بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا۔
''نہر کے پانی میں سرخ رنگ بھی بلال ہی نے پھینکا تھا۔ وہ اس وقت ہم سے کچھ فاصلے پر تھے اس لئے آپ کو پتہ نہیں چلا۔ اور یہ سب برطرف۔ آپ کا غصہ بالکل بے جا ہے، بے بنیاد ہے۔ آپ کی شکستگی، آپ کی دل گرفتگی واضح ثبوت ہے اس بات کا کہ آپ کو بھی احساس ہو چکا ہے کہ آپ نے مہرو کے ساتھ ٹھیک نہیں کیا تھا۔ پھر آج اس قدر طیش میں آنے اور اتنی فضول حرکت کرنے کا کیا مطلب ہے؟'' غصے سے اس کی رنگت تمتما رہی تھی۔ آنسوؤں نے اس کا چہرہ بھگو رکھا تھا۔ میرا سارا طیش، سارا غصہ بھک سے اڑ گیا۔ میں حواس میں لوٹا، شیطان کا غلبہ ہٹا تو مجھے احساس ہوا کہ میں نے کیا گھٹیا حرکت کی ہے۔ مہرین گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے رو رہی تھی۔
کئی لمحوں تک تو میں کچھ بولنے کے قابل ہی نہ رہا۔
پتہ نہیں، یہ بے اختیارانہ مگر برا فعل مجھ سے کیسے سرزد ہو گیا تھا۔ میں گھر سے کچھ سوچ کے نہیں نکلا تھا۔ یہ جو کچھ ہوا تھا، سب غصے اور اشتعال کا نتیجہ تھا۔ مگر اب غصے کا ابال بیٹھا تو میں تاسف اور شرمندگی میں گھرنے لگا تھا۔ نیا اور بلال کے کئے کی سزا میں اسے دے بیٹھا تھا۔ اب میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں اس بات کو کیسے سنبھالوں۔ میں چند قدم چل کر اس کے پاس گیا اور بمشکل چند لفظ کہہ پایا۔
''آئی ایم سوری مہرو!''

"شٹ اپ...... آپ مزید ایک لفظ بھی مت بولیں اور نکل جائیں یہاں سے۔" میرے کچھ اور کہنے سے پہلے ہی وہ ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر شیرنی کی طرح غرائی تھی۔ میں ندامتوں میں غرق ہونے لگا۔ کچھ تو رونے سے پہلے ہی اس کی حالت بری تھی، دوسرے میرے ہاتھ کی انگلیوں کے نشان اس کے بائیں رخسار پر چھپ سے گئے تھے۔ میرا دل بے حد تاسف سے بھر گیا۔
مزید کچھ کہے بغیر میں پلٹ آیا۔
ماموں جان آچکے تھے۔ ہمیں کھانا دے کر ممانی جان لڑکیوں کے پاس چلی گئی تھیں۔ میں بہ مشکل چند لقمے لے سکا۔ ماموں جان اصرار کرتے رہ گئے مگر میں بھوک نہ ہونے کا بہانہ کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔ چھت پر آکر میں کتنی ہی دیر ٹہلتا رہا۔ گزرا ہوا ہر پل مجھے خود احتسابی کے کٹہرے میں کھینچ رہا تھا۔ ہر جگہ قصور میرا تھا۔ میں اب خود کو بہت مجبور سمجھتا تھا، مگر اب جبکہ حقیقت برہنہ ہوئی تھی تو مجھے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ میں اب بھی وہی احمر نواز تھا۔ وقتی اشتعال کے تحت فیصلے کرنے والا۔ غصے کے آگے زیر ہو جانے والا اور اس غصے میں ہمیشہ ہی میں غلط قدم اٹھاتا تھا۔ میں اپنے آپ کا تجزیہ کرتا رہا۔ دراصل جب تک آپ کو موافق حالات کا سامنا رہتا ہے، تب تک آپ بہت پُر سکون اور سوبر سے انداز میں زندگی گزارتے رہتے ہیں۔ مگر جونہی حالات کا رخ بدلا، آپ کی اصلیت ظاہر ہونے لگتی ہے۔ مختصراً یہ کہ جب تک ٹھہرے ہوئے پانی میں پتھر نہ پھینکا جائے تب تک اس میں ہلچل نہیں مچتی۔
اور غیر موافق حالات ہی میں تو پتہ چلتا ہے کہ انسان کے اندر اصل میں کتنی برداشت اور صبر کا مادہ ہے۔ میں نے بوجھل انداز میں سوچا تھا۔ مجھے اپنی اس کمزوری پر شدید تاسف ہو رہا تھا۔ اسی لیے خدا نے غصے کو حرام قرار دیا ہے۔ واقعی، یہ انسان کی عقل کو ایسے ہی کھا جاتا ہے جیسے کہ آگ لکڑیوں کو۔
"ٹھینک گاڈ کہ میرا ضمیر زندہ ہے۔ میری ذہنی رو پلٹی تو ایک بہت خوشگوار سا احساس میری روح کو توانائی بخش گیا۔ مجھے اپنی روح، اپنے ضمیر کا بوجھ اترتا محسوس ہو رہا تھا۔
کس قدر دلربا ہوتا ہے وہ لمحہ، جب کسی بوجھ سے آپ کی روح آزاد ہوتی ہے۔ جب ہر وہ پریشانی جو مر جانے کی حد تک آپ کو عاجز کر دے، ختم ہو جائے تو کیسا جانفزا احساس ہوتا ہو گا۔
اسی کیفیت میں مجھے ابھی کچھ دیر پہلے کا واقعہ یاد آیا تو میرے لبوں پر بے اختیاری میں پہلے والی مسکراہٹ سمٹ گئی۔
"میں نے کبھی بھی تمہارے ساتھ اچھا نہیں کیا، مہرین علی عباس! مگر یقین کرو، اب ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ یہ آخری بار تھی۔" میں نے بہت یقین اور اعتماد سے خود کلامی کی تھی۔ میں نیم غنودہ کیفیت میں تھا، جب

تھکا ماندہ بلال واپس آیا۔ میں سنبھل کر اٹھ بیٹھا۔

''کیسی طبیعت ہے جناب؟''

''کس کی؟........ جس کو تھپڑ مار کے آئے ہو اس کی، یا خالہ زرینہ کی؟''

جوتے اتار کر بستر پر دراز ہوتے ہوئے وہ تلخی سے بولا تو میں نے مدافعانہ انداز میں اپنی صفائی پیش کی۔

''میں اپنی جلدبازی پر بہت شرمندہ ہوں۔ مگر یقین کرو، بلال! میں نے جو بھی کیا، وہ اتنے دنوں کی ٹینشن اور ذہنی ابتری کا رزلٹ تھا۔''

''یہ بات مجھے سمجھ میں نہیں آتی کہ تم اتنے آؤٹ آف کنٹرول کیوں ہو جاتے ہو؟ میں تو اس کے سامنے خود کو مجرم محسوس کرنے لگا ہوں کیونکہ یہ سب کچھ میں کر رہا تھا۔ وہ تو بس تمہارے سامنے نہ آنے کی خطاوار تھی۔'' بلال کا انداز اب بھی وہی تھا۔

''میں جانتا ہوں کہ محض الفاظ سے بات نہیں بننے والی۔ مگر پھر بھی بلال! آئی ایم ریئلی سوری۔'' میں حقیقتاً شرمسار تھا۔

''اگر تم تحمل اور برداشت سے کام لو تو تمہارا ذہن یوں جام نہ ہو جایا کرے۔ یہ شدید اشتعال ہی ہے، جو تمہیں کچھ سوچنے سمجھنے نہیں دیتا اور تمہاری ''تاریخ'' گواہ ہے کہ تم نے جو بھی غلط کام کیے، وہ شوق سے نہیں بلکہ غصے سے مغلوب ہو کر کیے ہیں۔''

وہ میرا بالکل ٹھیک تجزیہ کر رہا تھا۔ میں خاموشی سے سنتا رہا۔ اب اگر اس میں کچھ غلط ہوتا تب ہی میں کچھ بولتا۔ مگر یہاں تو ہر لفظ حقیقت پر مبنی تھا۔ وہ آنکھوں پر بازو رکھ کر لیٹ گیا۔ اس کی خاموشی سے بھی حقیقی ناراضگی عیاں تھی۔

''خالہ زرینہ کیسی ہیں اب؟''

''ٹھیک ہیں۔ گھر لے آئے ہیں انہیں۔'' وہ اسی حالت میں لیٹا سپاٹ انداز میں بولا تو میں جزبز ہونے لگا۔ آج تک کبھی بلال نے مجھ سے یہ بے رخی نہیں برتی تھی اور اب برت رہا تھا تو یہ چوٹ سیدھی دل

پر محسوس ہو رہی تھی۔

''کیا ہوا تھا انہیں؟''

''وضو کرنے جا رہی تھیں، کمزوری کی وجہ سے چکرا کر گر پڑیں۔ تخت کا کونا سر پہ لگنے اور کمزوری کی وجہ سے بے ہوش ہو گئیں۔ اب بہتر ہیں۔'' اس کا انداز اور لب ولہجہ ہنوز سرد تھا۔

یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ میں کن الفاظ میں بلال سے اپنے کیے پر شرمندگی کا اظہار کروں۔ بہت سوچ بچار کے بعد دل و دماغ جب ایک ہی فیصلے پر متفق و مرتکز ہو گئے، تب میں نے ہلکے سے کھنکھار کر اسے متوجہ کیا۔

''بلال......!''

''ہوں......؟'' وہ اسی پوزیشن میں لیٹا تھا۔

''میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

میں نے اپنی طرف سے دھماکا کیا اور اس کا رزلٹ کافی حوصلہ افزا نکلا۔ وہ بازو ہٹا کر مجھے شرم دلانے والے انداز میں دیکھنے لگا تو میں نے ایک خوب صورت سی مسکراہٹ پاس کی۔

''اب تو تمہیں واقعی شادی کر ہی لینی چاہیے۔'' وہ جیسے غرایا تھا۔ ''تمہارے لئے نویلہ حسن ہی بہتر ہے جو تمہیں مقابلے پر چار چوٹ کی مار بھی لگائے۔''

اس کے جلے کٹے انداز پر میں نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔ پھر محظوظ ہونے والے انداز میں بولا۔

''نقشہ تو تم نے بہت دلچسپ کھینچا ہے۔ مگر یار! میں اس دل کا کیا کروں؟ یہ مجھے مجبور کر رہا ہے کہ میں مہرو سے ہی شادی کروں۔''

بلال کے لئے میری فرمائش اس قدر اچانک اور غیر متوقع تھی کہ وہ اچھل کر بیٹھ گیا اور نہایت بے یقینی سے مجھے دیکھنے لگا۔

''نہ میں کچھ پی کے آیا ہوں اور نہ ہی سونگھ کے۔'' میں نے اس کی بے یقینی کا لطف لیا تو وہ پھیکے سے انداز میں مسکرا دیا۔

''پھر بھی تم پر اعتبار نہیں آتا۔'' اس کا لہجہ مجھے بہت برا محسوس ہوا تھا۔ مگر میں سب کچھ سوچے ہوئے تھا۔ تکیے کے نیچے ہاتھ مار کر موبائل فون نکال کر میں نے اس کی طرف بڑھا دیا۔

''امی سے بات کرو گے اور ٹائم بھی تم ہی فکس کرو گے۔ ٹیک اٹ۔'' میں نے سارا اختیار اسے سونپ دیا۔

وہ حد درجے بے یقینی سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

''سچ کہہ رہے ہو تم؟'' اس کی ہچکچاہٹ پر میں کچھ کہے بغیر موبائل آن کر کے نمبر پش کرنے لگا۔ ''یس'' پش کر کے میں نے موبائل اس کی طرف بڑھا دیا۔

''اپنی انا میں تمہارے ہاتھ میں دے رہا ہوں۔''

میرے معنی خیز انداز پر وہ قدرے توقف سے بولا۔

''اور جو معرکہ آج سرانجام دے کر آئے ہو، وہ........؟''

''اس کا ری ایکشن بعد میں دیکھا جائے گا۔ خالہ زرینہ ہیں نا۔'' اس نے طمانیت سے کہا تو اس نے موبائل آف کر کے مجھے تھما دیا۔ میری مسکراہٹ سکڑ گئی۔ اس نے وضاحت کی۔

''یہ بات تب زیادہ کارگر ہوگی، جب چچی جان کے تھرو پھپھو کے کانوں تک پہنچے گی۔'' اس کی دوررس سوچ پر میرا دل کھل سا گیا۔ واقعی ان خطوط پر میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔ ذرا شرمساری کم ہوئی تو مجھے دھیان آیا۔

''تمہیں یہ سب کس نے بتایا ہے؟'' میں نے جھجک کر پوچھا تو وہ گہری سانس لے کر لیٹ گیا۔

''ابھی مجھے نیہا نے بتایا ہے۔ رو رہی تھی وہ۔''

''آئی ایم سوری گیبن، یار!'' میں واقعی شرمندہ تھا۔ ''مجھے خود بھی احساس ہے کہ میں نے ایک نہایت جاہلانہ اور اخلاق سے عاری حرکت کی ہے۔ لیکن اب میں پوری کوشش کروں گا کہ اپنے اندر واقعی تحمل اور برداشت جیسی صفات پیدا کروں۔''

''جھوٹ بول رہے ہو تم۔'' وہ بے حد سنجیدگی سے بولا۔ میں نفی میں سر ہلا کر کچھ کہنے لگا تھا کہ اس سے پہلے ہی وہ شرارت سے کہنے لگا۔
''ابھی تم جن صفات کی ''پیدائش'' کا ذکر کر رہے تھے، وہ شادی سے پہلے تو پیدا ہو سکتی ہیں مگر بعد میں نہیں۔''
اس کی بات پر میں نے بھی قہقہہ لگایا تھا۔ اس کے بعد کافی دیر تک ہم کوئی لائحہ عمل ترتیب دینے کی کوشش کرتے رہے۔ اس کوشش کے نتیجے میں ہم کتنی ہی دیر ایک دوسرے کی ترکیبوں کو ریجیکٹ کرتے رہے تھے۔ اور جب ہم آخری فیصلہ کر کے سوئے تو وہ یہی تھا کہ ممانی جان ہی کو امی سے بات کرنی چاہیے۔ خالہ زرینہ میری ''تخریب کاریوں'' سے لاعلم تھیں اور وہ ماسٹر جی یقیناً میرے ہی حق میں فیصلہ دیتے۔ جہاں تک مہرین کا تعلق تھا تو اپنا کھویا ہوا اعتبار تو مجھے خود ہی حاصل کرنا تھا۔
بلال نے ممانی جان سے بڑے سبھاؤ سے بات کی ہو گی، تبھی وہ فوراً آمادہ ہو گئیں۔ میں، ماموں جان کے ساتھ اسٹور پر گیا ہوا تھا۔ میں واپس آیا تب تک ممانی جان موبائل پر امی سے بات کر چکی تھیں۔
مجھ سے نظر ملتے ہی بلال نے انگلیوں سے وکٹری کا نشان بنایا تھا۔
میرے اندر بے حد سکون کی کیفیت سرایت کر گئی۔ ساتھ ہی ایک بہت سنسنی بھرا احساس بھی میرے دل میں ابھرا۔ جو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا، وہ ہونے جا رہا تھا۔
نیہا نے مجھ سے بات چیت بند کر رکھی تھی۔ مگر اس نئے شوشے پر وہ مجھ سے لڑنے لگی۔ جس پر بلال نے بڑے طریقے سے اسے سنبھال لیا۔ میں بڑی مسکین سی شکل بنائے رہا۔ وہ رو رہی تھی۔ پھر میں نے آخری حربے کے طور پر اس کے آگے ہاتھ جوڑے تو وہ ہمیشہ کی طرح میرے شانے سے لگ گئی۔ میں نے گہری سانس لے کر طمانیت سے بلال کو دیکھا تو وہ ہنس دیا۔
اور پھر امی آئیں تو ضرور مگر پوری فیملی اور پوری تیاری کے ساتھ۔
''میں تو صرف اس تجسس میں آئی ہوں کہ نویلہ حسن کہاں گئی؟'' آپی نے آنکھیں پٹپٹائیں تو میں نے کانوں کو ہاتھ لگا دیے۔
سب میرے انتخاب پر بہت خوش تھے۔ نویلہ حسن میں ہزاروں خوبیاں ہوں، مگر ایک اس کی منہ پھٹ طبیعت اور مغرورانہ انداز اس کی تمام خوبیوں کو دبا دیتے تھے۔ اس لیے بھی خوش ہوئے تھے کہ میں نے ایک بہت اچھی لڑکی کو چنا ہے۔ بھابی متواتر مجھے چھیڑ رہی تھیں اور میں بھی خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ مجھے جلد ہی نویلہ حسن کے اصل روپ کا پتہ چل گیا۔ مجھے اس بات کا بھی خیال نہیں آیا تھا کہ وہ میرے

رشتے داروں سے بھی اپنی فطرت کے مطابق ڈیل کرسکتی ہے۔



نیا، امی، آپی اور بھابی ممانی جان کے ساتھ خالہ زرینہ کی طرف گئیں تو میں جیسے سُولی پر لٹک گیا۔ بلال میری حالت پر ہنس رہا تھا۔

''چہ، چہ......پھپھو تو ڈائمنڈ رنگ تک لے گئی ہیں۔ اب پتہ نہیں کیا ہوگا۔'' وہ ڈبل میری ٹینشن بڑھا رہا تھا۔

''بلال! زہر لگ رہی ہے مجھے تمہاری ہنسی۔'' میں نے اسے گھونسا دکھایا تو وہ بمشکل خاموش ہوا۔

تھوڑی دیر کے بعد اس کی زبان پھر کھجلانے لگی۔

''ہوسکتا ہے وہ کہے کہ پہلے پرانا حساب برابر ہوگا، اس کے بعد یہ منگنی ہوگی۔''

''کون سا حساب؟''

میں نے استفہامیہ انداز میں اسے دیکھا تو وہ مسکراہٹ دبا کر بولا۔

''وہی تھپڑ والا۔''

''بکواس نہیں کرو۔'' میں نے دانت کچکچائے تو اس نے بلاتکلف قہقہہ لگایا۔

''اگر میں تیری منگنی نہ کراتا تو آج بھی تو میرے آگے پیچھے خوشامد کرتا پھر رہا ہوتا۔'' میرے بےحد جل کر کہنے پر وہ بے اختیار ہنستا چلا گیا۔

شام ہونے کو تھی جب وہ سب لوٹے تو ان کی ہنسی اور چہرے پر چھائی سرشاری اس بات کی گواہ تھی کہ وہ مہرین علی عباس کو میرے نام کرآئے تھے۔

میں نے کسی سے کچھ پوچھے بغیر ہی 'یاہو' کا نعرہ لگایا تو سبھی بے اختیار ہنس دیے۔ امی نے بہت محبت سے میری پیشانی چوم لی تھی۔ وہ تو یوں بھی کب سے میرے پیچھے لگی تھیں کہ میں شادی کرلوں۔ میں

بس یونہی نویلہ حسن کو سمجھنے کے چکر میں لگا رہا۔ اور اب احساس ہوا کہ یہ سب قسمت کا چکر تھا۔
بلال کو ماموں جان نے کسی کام سے بلا لیا تو میں اکیلا ہی چھت پر ٹہلتے ہوئے اپنی زندگی کے اس خوشگوار موڑ سے متعلق سوچنے لگا۔ تبھی مجھے چھت پر کسی کے کودنے اور چوڑیوں کے چھنکنے کی آواز آئی تو میں ایک جھٹکے سے پلٹا۔ حسب معمول میں یہی کہوں گا کہ وہ مہرو ہی تھی۔
اس نے اپنی دانست میں مجھ سے دو دو ہاتھ کرنے کا محفوظ راستہ ڈھونڈا تھا کیونکہ نیچے تو ایک عرصے کے بعد محفل جمی ہوئی تھی۔ میں عجیب سے مسرت آمیز احساسات کے ساتھ اس کی طرف بڑھا۔ مگر جہاں کا تہاں رہ گیا۔ وہ آگ بگولا ہو رہی تھی۔
''تمہاری ہمت کیسے ہوئی، اتنی فضول حرکت کرنے کی؟ تم سمجھتے کیا ہو خود کو، تم کچھ بھی کر سکتے ہو؟ مگر یہ تمہاری بھول ہے احمر نواز! یہ سنبھال کے رکھو تم۔''
اس نے انگلی سے انگوٹھی نکال کر تقریباً میرے منہ پر دے ماری، جو میں بہ مشکل کیچ کر پایا تھا۔ وہ اپنی دانست میں بات بلکہ دوسرے لفظوں میں یہ رشتہ ختم کر کے پھر سے دیوار کی طرف مڑی تو میں نے بہ سرعت آگے بڑھ کر اس کا بازو جکڑ لیا۔ وہ اپنی رو میں تھی لہرا کر میری طرف پلٹی اور سنبھلنے سے پہلے ہی مجھ سے ٹکرا گئی۔ وہ تو حواس باختہ ہوئی ہی تھی، میں بھی ٹپٹا گیا۔
''چھوڑو مجھے۔''
اس نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو میری گرفت سے آزاد کرایا تو میں مسکراہٹ دبا تا دو قدم پیچھے ہو گیا۔
''لیکن تمہیں میری بات ضرور سننی پڑے گی۔'' میرے مضبوط لہجے میں کہنے پر وہ بڑے جارحانہ انداز میں بولی۔
''مگر مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننی۔''
''تو پھر اس وقت اور کیا کرنے آئی تھیں؟''
بلا ارادہ ہی میرے منہ سے بات نکل گئی۔ اس کے تو سر پر لگی، تلووں جا بجھی۔

''غلط فہمی ہے تمہاری۔ میں صرف تمہیں تمہاری اوقات یاد کرانے آئی تھی۔''

''اوہ۔'' میں نے تفہیمی انداز میں سر ہلایا۔ پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے دوستانہ لہجے میں کہا۔

''اور اب اگر میں سوری کر لوں تو؟''

اس کی آنکھوں میں حیرت کے ساتھ ساتھ تاسف بھی اُمڈ آیا۔ مجھے سنجیدہ ہونا پڑا۔ میں نے انگوٹھی اس کی طرف بڑھائی۔

''یہ سب میری خواہش ہے مہرین!''

''مگر اب یہ میری خواہش نہیں ہے۔'' وہ تلخی سے بولی تو میں نے بے اختیار پوچھا۔

''اب۔ یعنی کہ پہلے تمہاری خواہش تھی؟''

میرے اچانک سوال پر اس کے چہرے پر سرخی سی دوڑ گئی مگر تردید اس نے بہت سختی سے کی تھی۔

''میں نے گزرے وقت کو بھلا دیا ہے۔''

''ویری گڈ۔'' میں نے ستائش انداز میں سر ہلا کر اس کی تائید کی۔ ''میں نے بھی یہی کیا ہے۔ یہ رشتہ اسی امر کا واضح ثبوت ہے۔''

''ہے نہیں، تھا۔'' وہ تلخی سے بولی۔ ''مجھے یہ رشتہ قبول نہیں ہے۔ میں کسی دھوکے باز سے ایسا رشتہ نہیں جوڑنا چاہتی۔''

''تم اپنی دانست میں آج سے چار سال پہلے والے احمر نواز سے لڑائی لڑ رہی ہو۔ مگر یہ بھول رہی ہو کہ یہاں تو لمحوں میں انسان بدل جاتے ہیں، میں تو پھر چار سالوں کے بعد لوٹا ہوں۔''

میں نے اپنی صفائی پیش کی تو اس نے شرربار نگاہوں سے مجھے دیکھا، پھر بڑی کڑواہٹ بھرے لہجے میں بولی۔

''وہ تو مجھ پر بڑی اچھی طرح واضح ہو چکا ہے۔''

وہ یقیناً تھپڑ والی بات کا ذکر کر رہی تھی۔ میری نظریں بے اختیار اس کے بائیں رخسار پر جم گئیں، جہاں ہلکا سا سرخی مائل نشان موجود تھا۔ میری نگاہ بھٹک کر اس کے چہرے پر پھسلنے لگی۔

وہ خوب صورت تو تھی ہی مگر ان چار سالوں میں وہ اور بھی دلکش ہو گئی تھی۔ سیاہ بال، جو وہ شانوں پر بکھیرے رہتی تھی، وہ اب لمبی سی چٹیا کی قید میں تھے۔ میری نگاہ کے جمود پر اس کے تاثرات میں ناگواری اتر آئی تو میں سنبھلا۔ وہ پھر سے دیوار کی طرف بڑھی تو میں نے اُسے پکار لیا۔

''مہرین!''

''وہ رکی نہیں تو مجبوراً مجھے پھر سے اُسے سابقہ انداز میں روکنا پڑا۔ اس نے اب بھی بہت ناگواری سے اپنا بازو چھڑایا تو میں نے بحالت مجبوری آخری حربے کے طور پر اس کے دائیں بائیں دیوار پر ہاتھ ٹکا دیئے۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' وہ میری اس حرکت پر مشتعل ہو اٹھی۔

''جب تک تم میری بات نہیں سنو گی، مجبوراً مجھے یہ بدتمیزی کرنا پڑے گی۔'' میں نے آرام سے کہا تو وہ غصے سے سرخ چہرہ لئے مجھے دیکھنے لگی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دوستانہ انداز میں کہا۔

''ہاں، میری آنکھوں میں دیکھو اور اندازہ لگاؤ کہ میں اپنے الفاظ میں کتنا سچا ہوں۔''

میری بات پر قدرے توقف کے بعد وہ تلخی سے بولی۔

''مجھ میں یہ صفت ہوتی تو بہت پہلے یہ کام کر چکی ہوتی۔''

''پلیز مہرین! ٹھنڈے دل سے سوچو۔ آج سے چار سال پہلے میں ہی نہیں، تم بھی بالکل امیچور لڑکی تھیں۔ یقین جانو، مجھے تو اس وقت محبت کے ہجے بھی نہیں آتے تھے۔ میں پوری ایمان داری سے کہہ رہا ہوں کہ واقعی میں نے تم سے محبت نہیں کی تھی۔ اس وقت تو بس میں تمہیں ہرانا چاہ رہا تھا۔ تمہیں یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ تم نے مہرو کے گیٹ اپ میں مجھے بے وقوف نہیں بنایا بلکہ میں نے تمہیں احمق بنا دیا ہے۔''

''اب پھر کیا چاہتے ہیں، آپ؟ اسی لئے تو میں نے سب کچھ ختم کر دیا ہے۔'' وہ یکلخت ہی تم سے آپ پر اتر آئی۔ مگر اس کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ میں سنجیدہ ہو گیا۔

''مگر اب میں پہلے والا احمر نہیں رہا مہرین! یقین کرو، اگر میں نے تمہیں دھوکا ہی دینا ہوتا تو شاید تم کہیں منہ دکھانے کے لائق نہیں رہتیں۔ لیکن یہ فقط ایک مذاق تھا میرے لئے۔ اور......''

''کیا بکواس ہے یہ؟'' وہ میرے الفاظ پر لال بھبھوکا ہوگئی مگر میں جانتا تھا کہ مجھے اُسے کھل کر سمجھانا پڑے گا۔

''میں جانتا ہوں کہ یہ باتیں سننا بہت مشکل ہے۔ مگر یہ حقیقت ہے مہرین! اور یہ تم بھی جانتی ہو۔ میں نے تم سے دھوکا نہیں کیا، فقط مذاق کیا تھا۔ اگر دھوکا کیا ہوتا تو اب پھر سے تمہارا طالب بنا، تمہیں وضاحتیں نہ دے رہا ہوتا۔ کیا یہ میرے الفاظ کی سند نہیں ہے؟''

''مگر آپ نے مجھے بہت تکلیف پہنچائی تھی۔ تماشا بنا کے رکھ دیا مجھے۔''

وہ روئی تو مجھے قدرے تسلی ہوئی۔ وہ محض ری ایکٹ کر رہی تھی۔

''میں جانتا ہوں، جب ذہنی ٹینشن ہو، کوئی صدمہ ہو تو بہت غبار اس طرح جمع ہو جاتی ہے اندر۔ دیکھو، میں تمہارے سامنے ہوں، اجازت دے رہا ہوں۔ چاہو تو تم بھی تھپڑ مار سکتی ہو۔ میری ذہنی ٹینشن کا رزلٹ بھی یہی تھا۔''

میں نے اپنا چہرہ اس کے چہرے کے بالمقابل کیا تو وہ آنسوؤں بھری آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

میں نے اجازت دینے والے انداز میں سر ہلایا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ میرے دل میں مسرت بھرا احساس پیدا ہو کر ذہن کو بھی فریش کر گیا۔

''میں تو خود سب سے چھپتا پھر رہا ہوں۔ جس کھیل میں، میں تمہیں ہرانا چاہ رہا تھا، اس میں خود ہی ہار گیا۔ مگر یقین کرو کہ میں بے حد خوش ہوں۔ اتنا خوش کہ کبھی نویلہ حسن کے ساتھ بھی اتنی خوشی نہیں ہوئی۔ اگر تمہیں یونہی رونا ہے تو میرا شانہ حاضر ہے۔ تمہیں سنبھالتے ہوئے مجھے بہت خوشی محسوس ہوگی۔''

میں نے باتیں کرنے کے دوران اس کی انگلی میں دوبارہ انگوٹھی پہنائی تو اس نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ میں نے دیکھا، اس کی آنکھوں سے ابھی تک آنسو بہہ رہے تھے۔ میرے انداز میں شرارت اتر آئی تو اُس نے بہت جھینپ کر ہاتھوں سے آنکھیں اور چہرہ رگڑ ڈالا۔

میں نے اس کا ہاتھ تھام کر اس کی شفاف گلابی ہتھیلی اپنے سامنے کی، پھر بڑے تیقن سے کہا۔

''اب جب بھی کبھی محبت ماپو گی تو یقین کرو مہرین! کبھی مایوس نہیں ہو گی۔''
میں نے اس کی ہتھیلی چوم لی۔
اس نے حواس باختہ ہو کر ہاتھ پیچھے کھینچا۔
''آپ۔''
''اوں ہوں......'' میں نے شرارت سے اسے ٹوک دیا۔ ''سنا نہیں تم نے کہ ''آپ'' کے سامنے بے تکلفی سے بات نہیں کی جاتی مگر ''تم'' کے سامنے تو دل کھول کر رکھ دیا جاتا ہے۔''
میری بات پر وہ خجل ہو گئی کہ ابھی کچھ دیر پہلے وہ کافی دل کھول کر بول چکی تھی۔
''اب اگر میں تم سے پوچھوں کہ سورج کہاں سے نکلتا ہے تو؟'' میں نے اس کے نکھرے ہوئے چہرے پر ملائم نظر ڈال کر شرارت سے پوچھا تو اس کے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ پھیل گئی۔
''تو میں کہوں گی کہ چاچے طفیل کی زمینوں کی طرف سے۔''
اس کی مسکراہٹ ہنسی بن گئی تو میں بھی آسودگی سے ہنس دیا۔ اس نے بڑی عقل مندی کا ثبوت دیتے ہوئے اپنی اور میری محبت کو بچا لیا تھا، جو وہ عاقبت نااندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی انا اور عزت نفس کی نذر بھی کر سکتی تھی۔ لیکن محبت ایک کڑی سچائی ہے۔ اور مہرین علی عباس نے یہ سچائی میری آنکھوں میں پا لی تھی۔ میں نے ہاتھ اس کی طرف بڑھایا تو اس نے جھجکتے ہوئے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا۔
''میں ایک بار پھر آپ پر اعتبار کر رہی ہوں، احمر!''
''اور اس یقین کے ساتھ کہ اب اس سفر میں، میں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں۔''
میں نے اس کے اعتبار کو یقین بخشا تو وہ میری طرف دیکھ کر مسکرا دی۔ میری روح پر دھرا آخری بوجھ بھی اتر کر مجھے ہلکا پھلکا کر گیا۔

ختم شد

PAUSE

میرے مولا کرم کر دے تو ایسا کر بھی سکتا ہے
میرے ہاتھوں کی جانب دیکھ انہیں تو بھر بھی سکتا ہے